فردوس مغلیہ

مختصر تاریخ عمارات مغلیہ آگرہ

فردوسِ مغلیہ

مختصر تاریخ عماراتِ شاہی آگرہ

از

حضرتِ اختر انصاری اکبرآبادی
مصنف "کیف و رنگ"۔ "زندگی کے رُخ"۔ "ہوس کار" وغیرہ

ملنے کا پتہ

ایم۔ اے۔ کے برادرز۔ روضہ دروازہ
تاج گنج آگرہ

(ناشر)

انڈین لٹریری سوسائیٹی۔ جبل پور

قیمت عہ ۱۲ علاوہ محصولڈاک

باہتمام منشی بشیر الدین خاں در شمسی پریس آگرہ طبع گردید

انتساب

شرف پذیرائی کی اُمید کے ساتھ

خواہر محترم نواب دلہن بلقیس خجستہ بیگم صاحبہ خجستہ آف گوردھا اسٹیٹ
کے نام

کمترین

اختر انصاری اکبرآبادی

اظہارِ حقیقت

"فردوس مغلیہ" کا مسودہ اس وقت میرے سامنے ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ ایک شاعر اور ادیب جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ جذبات درومان کی تیز و تند امواج تلاطم خیز میں گذارا ہو ایک کامیاب مورخ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

ایم۔ اے۔ اختر انصاری اکبر آبادی کی متعدد تصانیف سے مجھے ان کے علمی رجحانات اور ادبی شغف کا جو اندازہ ابتک ہوا تھا اسکے زیر اثر میں گمان بھی نہ کر سکتا تھا کہ وہ تاریخ جیسے خشک اور پامال موضوع پہ اس قدر سیر حاصل اور بلند پایہ مقالات لکھ ڈالیں گے۔ اس کتاب کا ہر مقالہ اپنی جگہ منفرد بھی ہے اور باہم گر مربوط بھی۔ نیز جگہ جگہ ادبی اور تنقیدی فقرے وہ لطف دیتے ہیں کہ کتاب پڑھتے چلے جائیے جب تک ختم نہ ہو جائے ہاتھ سے رکھنے کو جی نہیں چاہتا اور یہ اختر صاحب کا کمال انشاپردازی ہے۔

یکم اگست ۱۹۴۶ء

ابوظفر صہبا

معروضات

محترم انشاء اللہ خاں صاحب نے اکثر و بیشتر یہ خواہش ظاہر کی کہ میں اکبر آباد کی عمارات شاہی پر ایک مختصر رسالہ تصنیف کردوں۔ ایک ادیب اور شاعر سے یہ فرمائش کسی طور بھی امتحان سے کم نہیں مگر بزرگ کے حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی۔ اس موضوع پر کچھ کتابیں دستیاب کیں اور پڑھیں۔ ہر کتاب کے مولف یا مصنف نے تاریخی حقائق ترقیم کرنے کے ساتھ کچھ "ایجاد بندہ" کے طور پر اختراعیں بھی کی ہیں جن کا تاریخ اور واقعات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے بعض کتابیں تو اس درجہ گنجلک کردی گئی ہیں کہ پڑھنے والے کے لئے بھی بار ہیں۔ میں نے زیر نظر رسالہ میں صرف تاریخی مواد پیش کیا ہے۔ فضول اوراق کو سیاہ کرنے سے گریزاں رہا ہوں تاکہ پڑھنے والوں کے لئے قیمت کے ساتھ ساتھ مطالعہ بھی گراں نہ گزرے۔ اگر یہ کوشش پسند کی گئی تو بشرطِ فرصت ایک مکمل اور مستند تاریخ بھی پیش کر سکوں گا۔

ناچیز

اختر انصاری اکبر آبادی

آغازِ بیان اور تاریخ قلعہ

آگرہ تاریخی حیثیت سے اپنی جگہ پر ایک وزن اور ایک مقام رکھتا ہے، ایک قدیمی شہر ہے اس کو "اکبر آباد" کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے لیکن عوام صرف آگرہ کے نام سے جانتے ہیں "اکبر آباد" کا لفظ صرف شاعروں اور ادیبوں کی ملکیت ہو کر رہ گیا ہے۔ شروع میں آگرہ کو عرصہ تک فراموش کیا گیا۔ بعض قدیمی تاریخوں میں اس شہر کا تذکرہ تک موجود نہیں ہے۔ تلاش و جستجو سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے آگرہ کا تذکرہ سلیمان نے کیا۔ یہ ایک بلند پایہ فارسی شاعر تھا جس کی وفات شاید ۱۱۳۱ء میں ہوئی سلیمان کے تذکرہ کو دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ۱۰۸۱ء میں محمود غزنوی آگرہ پر فاتح ہوا اور یہ فتح اپنے دور کے مشہور راجہ جیپال سے حاصل کی گئی۔ اس عارضی انقلاب کے بعد جیپال کے خاندان ہی کے ایک راجہ بادل سنگھ نے شکستہ اور ٹوٹے پھوٹے قلعہ کو پھر تعمیر کرایا اور اس کا نام بادل گڈھ رکھ دیا گیا۔ تاریخ نے پھر ایک ورق الٹا اور ۱۴۸۸ء سے لے کر ۱۵۲۸ء تک کے لئے آگرہ شاہانِ لودھی کے زیر اثر رہا۔ لودھی حکمراں نے بادل گڈھ حسب ضرورت تبدیل کر کے اپنی طرز میں مبدّل کر دیا

لیکن قدرت برسرپیکار تھی ایک مرتبہ پھر تغیر پیدا ہوا اور زلزلہ نے آگرہ کو بہترین عمارات سمیت درہم وبرہم کر دیا نظامِ اکبر آباد میں تزلزل پیدا ہو گیا۔

خاندان لودھی کے آخری تاجدار ابراہیم لودھی کو ۱۵۲۶ء میں پانی پت کی جنگ میں بابر نے شکست دی۔ اس کے بعد بابر نے اپنے فرزند ہمایوں کو آگرہ بھیجا اور خود بابر افغان صوبہ داروں اور ہندو سرداروں کو ہزیمت دینے کے بعد آگرہ واپس آیا۔ اور یہیں قلعہ کے ایک خوبصورت مقام چار باغ میں اس کا انتقال ہوا۔ بابر کی رحلت کے تین دن گذر جانے پر قلعہ میں ہی ہمایوں کی تاجپوشی کی گئی۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جبکہ ہمایوں قنوج کی جنگ میں افغانوں سے شکست کھا کر بھاگا تھا اور دریائے سون پر تیرتے تیرتے غرقاب ہونے والا تھا تو ایک سقہ نظام نے ہمایوں کو سرعت کے ساتھ دریا میں سے نکال کر اشارۂ قدرت پر دوبارہ زندگی بخشی تھی۔ اس زندگی بچانے کے احسان کا بدلہ دینے کے لئے ہمایوں نے نظام سے دریافت کیا کہ تم کیا انعام چاہتے ہو طلب کرو تو نظام نے خواہش ظاہر کی کہ اس کو ڈھائی دن کے لئے آگرہ کا فخر بخشا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس کے بعد ہمایوں نے ۱۵۴۰ء میں افغانوں سے شکست کھائی اور دل برداشتہ ہو کر ایران چلا گیا

۱۵۴۰ء تا ۱۵۵۵ء بادل گڈھ پر افغان قابض رہے۔ سلیم شاہ سوری جو کہ ایک افغان حکمراں تھا اس نے قلعہ میں بہت سے معقول اضافے کئے۔ سوئے اتفاق ۱۵۴۷ء میں شاہی بارود خانے میں آگ لگ گئی جس سے عمارات کے اکثر حصے سوختہ ہو کر رہ گئے۔ اب صرف "بارہ دری" سلیم شاہ کی یاد کو تازہ کرتی ہے۔

حالات نے پھر ایک کروٹ بدلی ۱۵۵۵ء میں خاندان مغلیہ کا آگرہ اور بادل گڈھ پر قبضہ ہوا۔ ہمایوں کا پھر دور دورہ ہوا۔ اس کے بعد خاندان مغلیہ کا روشن چراغ جلال الدین اکبر ہمایوں کا ہونہار فرزند ۱۵۵۸ء میں تخت نشین ہوا۔ یہی وہ اکبر ہے کہ جس نے بادل گڈھ کو "قلعہ" اور آگرہ کو "اکبر آباد" کے نام سے موسوم کیا۔ اکبر ۶۳ سال کی عمر میں ۱۲ اکتوبر ۱۶۰۵ء میں اس دار فانی سے رخصت ہوا اور شہر سے پانچ میل کے فاصلہ پر سکندرہ میں مدفون ہوا۔

اکبر کے بعد قلعہ میں اس کے صحیح جانشین سلیم نے تاج پہنا اور اس کے بعد سے جہانگیر لقب ہوا۔ عرصہ طویل تک اکبر آباد کے بجائے لاہور دارالحکومت رہا۔ ۱۶۲۷ء میں لاہور ہی میں جہانگیر کی وفات ہوئی اور ایک مقام شاہدرا میں نورمحل کے تعمیر کردہ مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ شاہ خرم جو کہ بعد میں شاہجہاں مشہور ہوئے نے قلعہ آگرہ میں

اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ تاج محل اسی محترم شہنشاہ کی "یادگار محبت" کا اچھوتا نمونہ ہے جو کہ شاہان سلف کی یاد دلا کر اب بھی بیقرار کر دیتا ہے۔ حالات کے تغیر کے باعث شاہجہاں کے دور حیات میں ہی اس کا لڑکا اورنگ زیب برسر اقتدار آگیا اور شاہجہاں قلعہ میں سات سال نظر بند رہنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو گیا اور تاج محل ہی میں دفن ہوا۔ اس کی وفات کے بعد اورنگ زیب نے دہلی کو مرکز حکومت بنا لیا۔ یہ انقلاب اور اورنگ زیب کا تبدیلی پایہ تخت اکبر آباد کے لیے کچھ مفید ثابت نہ ہوا۔ کیونکہ مغل حکمرانوں نے اس کے بعد اکبر آباد کی طرف نظر التفات نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حسین علی نے قلعہ میں لوٹ مار کی خزانے غصب کیے اور ملکۂ جہانگیر نور جہاں، ملکۂ شاہجہاں ممتاز محل کے مرصع زیورات پر بھی قبضہ کر لیا۔ ممتاز محل کی قبر پر تاج محل میں جو چادر ہیرے اور جواہرات کے کام کی پڑی ہوئی تھی اس کو بھی یہ ظالم شخص مال غنیمت سمجھ کر لے گیا۔

بعدہٗ سورج مل جو کہ بھرتپور کے جاٹوں کا سردار تھا ۱۷۶۴ء میں اکبر آباد پر قابض ہوا اور اس قبضہ کے بعد ہی تاج محل و قلعہ میں سے قیمتی پتھر نکال کر لے گیا۔ ابھی اکبر آباد اس لوٹ کے صدمہ سہہ بھی نہ سکا تھا کہ مرہٹے آ کودے۔ اور ۱۸۰۳ء تک مالک بنے رہے۔ اسی سال میں

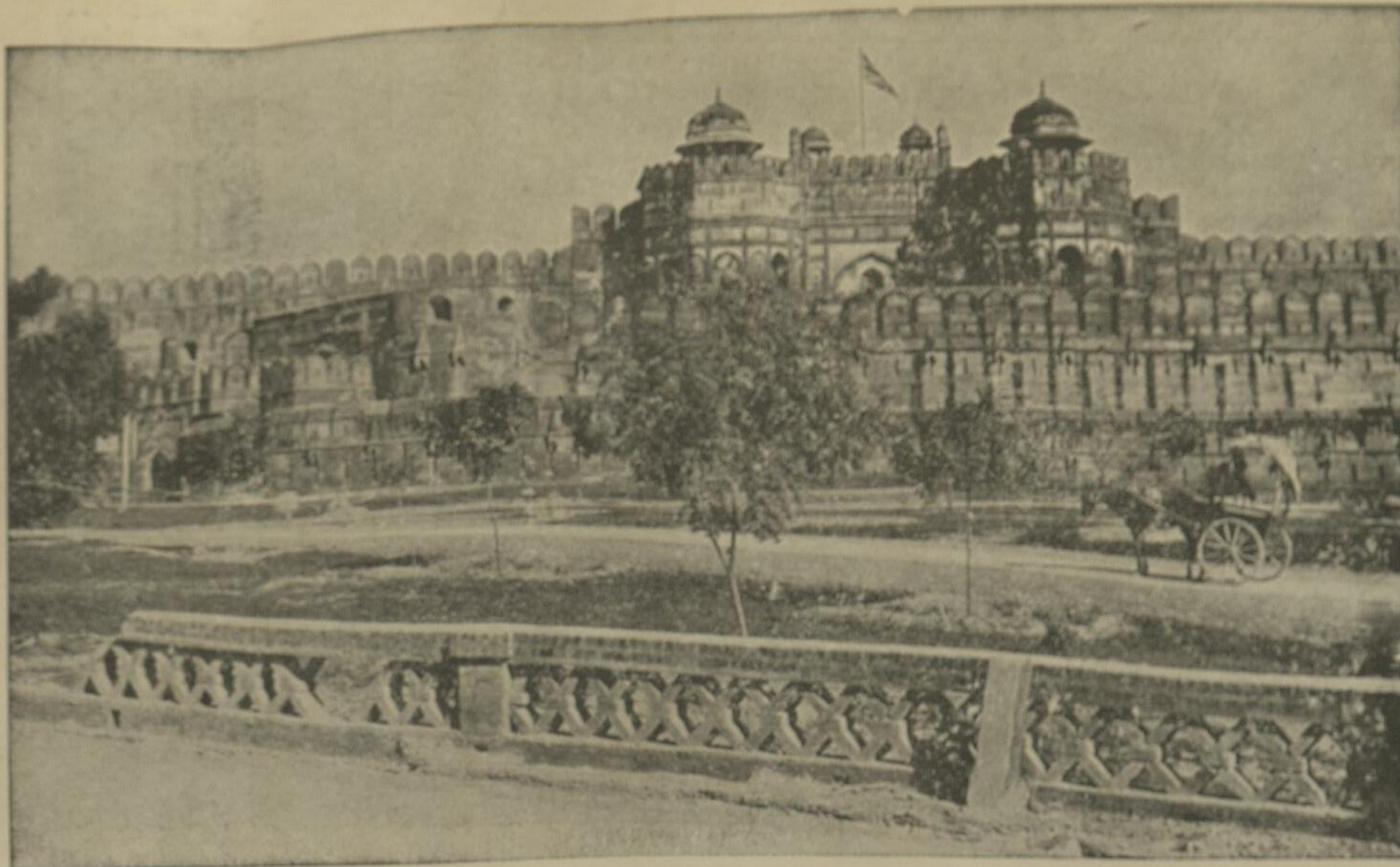
لارڈ لیک نے مرہٹوں کے قبضہ سے اکبرآباد کو نکالا۔ یہ ہے اکبرآباد کا ہلکا سا خاکہ۔ اس شہر نے کتنی ٹھوکریں کھائیں۔ کتنے زوال آئے۔ کتنی پستیاں آئیں۔ جو آیا اکبرآباد کا خون ہی چوستا ہوا آیا۔ یہ بھی انگریزی حکومت کا کرم ہے کہ یہ چند عمارتیں قائم ہیں اور مغلوں کے جاہ و جلال کا پتہ دیتی ہیں ورنہ نہ وہ ساقی ہے نہ وہ میخانہ اور نہ ہی وہ پینے اور لنڈھانے والے۔ یہ سب کچھ تو آغاز بیان ہی تھا اب عمارتوں کی تاریخ قلعہ سے شروع ہوتی ہے۔

قلعہ اپنی موجودہ صورت میں

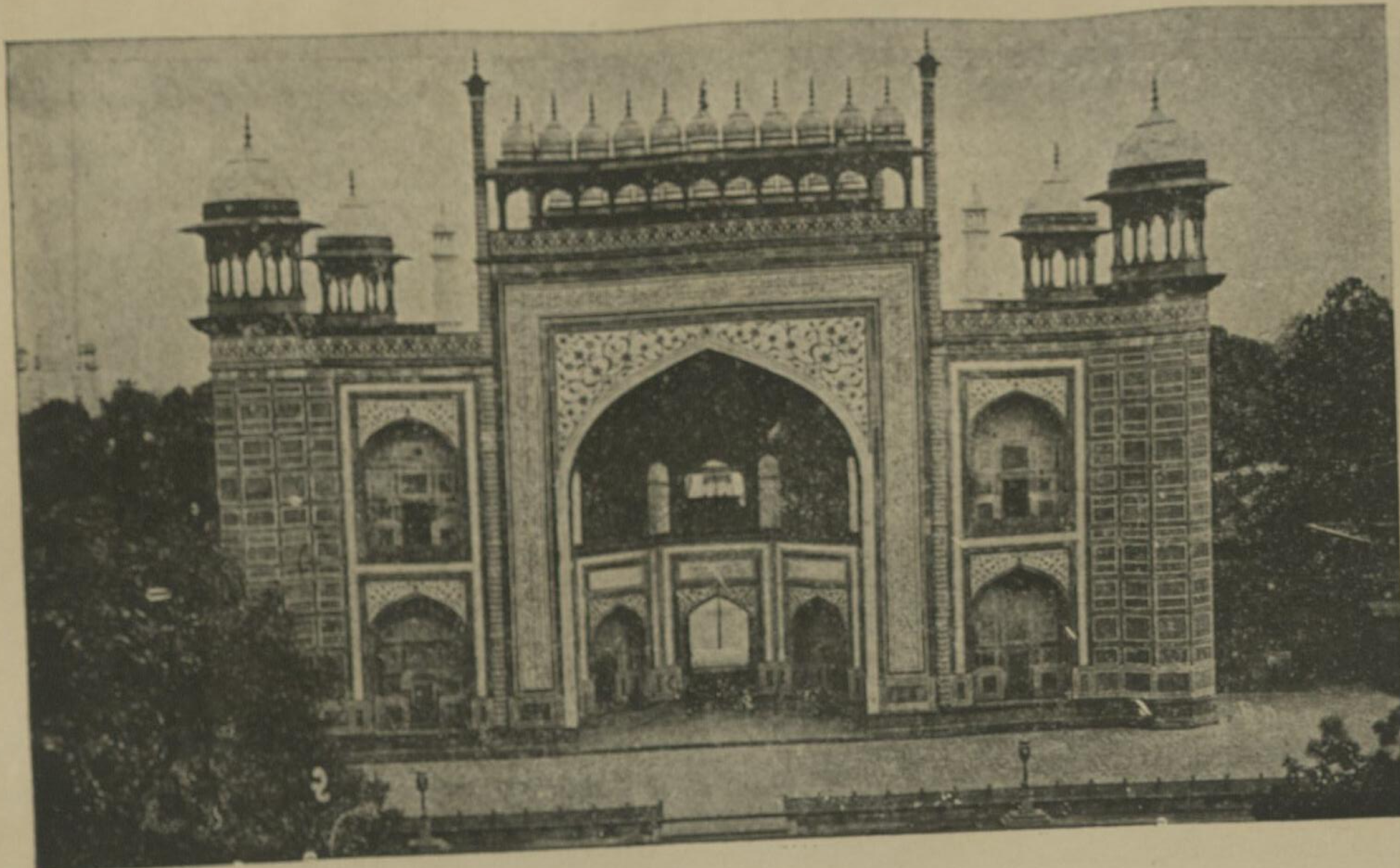
تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اکبر نے بادل گڈھ کی عمارتوں کو یکسر مسمار کر کے ۱۵۶۵ء میں خود آگرہ آکر از سر نو تعمیر کا کام شروع کرایا اور جب ہی سے آگرہ "اکبر آباد" میں تبدیل کر دیا۔ قاسم خاں میر بحر کے سپرد تعمیر کے جملہ کام کئے گئے۔ قلعہ کامل آٹھ سال میں پایۂ تکمیل کو پہنچا اور تقریباً پینتیس لاکھ روپے اس پر صرف ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ فیضی نے پہلے دروازے کی تعمیر کی تاریخ "بنائے در بہشت" نکالی تھی یعنی ۱۵۶۶ء قلعہ کی اصل بیرونی گولائی کی لمبائی تقریباً ڈیڑھ میل ہے اور ہر چہار طرف فصیل قائم ہے۔ باہر کی فصیل ۳۰ فیٹ اور اندر کی فصیل ۷۰ فیٹ اونچی ہے۔ تمام جنگی اصولوں اور ضروریات کے تحت قلعہ کی فصیلیں تعمیر کی گئی تھیں۔ دیواریں سُرخ رنگ کے پتھر کی اس لئے تعمیر کرائی گئی تھیں کہ دُور سے دیکھنے پر ایک ہی پتھر معلوم ہو۔ مطالعہ سے یہ بھی تحقیق ہوا ہے کہ فصیلوں کو شہنشاہ اور شاہزادے کی سالگرہ و دوسرے جشنوں کے موقعوں پر سجایا جاتا تھا۔ چنانچہ ان اصولوں کے مطابق ۱۹۰۸ء میں امیر کابل کی تشریف آوری کے موقع پر قلعہ کی فصیلوں کو خوب آراستہ

کیا گیا تھا اور رنگ برنگ کے پھول بنائے گئے تھے جس کے ہلکے ہلکے نقش اب بھی جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔

اس آہنی فصیل کے علاوہ قلعہ کے شمال، مغرب اور جنوب کی طرف ایک کافی گہری مضبوط خندق بھی ہے جس کی گہرائی تیس یا پینتیس فٹ بتائی جاتی ہے۔ جمنا اس وقت چونکہ قلعہ کی دیواروں کے ساتھ ساتھ بہتی تھی اسی لئے اس کھائی کی ضرورت محسوس کی گئی ہوگی اب تو قلعہ اور جمنا کے درمیان میں ایک سڑک حائل ہے۔ پہلے جو یہ مغرب کی جانب خندق بنائی گئی تھی وہ شاید اس لئے کہ خطرے کے وقت جمنا میں سے اس میں پانی لایا جاسکے تاکہ دشمن آسانی سے قلعہ کی دیواروں تک نہ پہنچ سکیں۔ غرض یہ مصلحت دوررس شہنشاہ کے دماغ کی جدت تھی جو کہ اپنی جگہ پہ قابل آفرین کارنامہ کی حیثیت رکھتی ہے۔



THE FORT AGRA.



GATE OF ITMAD-UD-DAULA.

قلعہ کے چار دروازے

(۱)

دریائی دروازہ

قلعہ کا یہ دروازہ مشرق کی طرف ہے۔ شاہی زمانہ میں یہ دروازہ جمنا کے کنارے پر کھلتا تھا اور صرف شاہی متعلقین اس دروازہ سے تفریح کے لئے جاتے تھے۔

(۲)

عام دروازہ

یہ دروازہ بسوئے شمال ہے۔ اور قلعہ کے محلات میں بے تکلف آمدورفت رکھنے والوں کے لئے مخصوص تھا۔ اس دروازہ سے محلات میں جلد پہنچ جاتے تھے کیونکہ یہ قریبی راستہ تھا۔ شہنشاہ جہانگیر نے اس دروازہ پر ایک زنجیر لٹکا دی تھی جو کہ "انصاف کی زنجیر" کے نام سے ابتک موسوم کی جاتی ہے۔ اس زنجیر کو کھینچنے سے خاص محل میں

ایک گھنٹی بجنے لگتی تھی اور اس کو کھینچ کر مظلوموں کو بادشاہ کے مطلع کرنے کی عام طور پر اجازت تھی۔ بادشاہ کی طرف سے یہ عام اعلان تھا کہ ہمہ وقت رعایا اس زنجیر کو کھینچ کر اپنی کس مپرسی کے اظہار کے لئے بادشاہ کو طلب کر سکتی ہے۔ مگر تاریخ میں کہیں ایسی کوئی چیز نظر سے نہیں گزری جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ زنجیر کھینچنے کی ضرورت یا جرأت کبھی کسی کو ہوئی ہو۔ اب یہ دریائی دروازہ اور عام دروازہ دونوں بند ہی رہتے ہیں۔ ان دروازوں سے کسی قسم کی آمد و رفت نہیں ہوتی۔

(۳)

دلی دروازہ

یہ دروازہ بہ طرف مغرب واقع ہے۔ اس طرف سے سڑک کی دوسری جانب آگرہ فورٹ اسٹیشن پر اترنے والے مسافر صاف طور پر اس دروازہ کو دیکھ سکتے ہیں۔ "ہاتھی پول دروازہ" کے نام سے بھی اس دروازہ کو موسوم کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک زمانہ میں دائیں بائیں جانب ایک ایک ہاتھی سرخ پتھر کا یہاں کھڑا ہوا تھا اور دونوں ہاتھیوں کی سونڈوں کو ملا کر محراب کا کام لیا گیا تھا۔ ایک ہاتھی پر اودے سنگھ (جو کہ چتوڑ کا مشہور راجہ تھا) کا مجسمہ تھا اور دوسرے پر "فاتھا" کا جو کہ

اودھے سنگھ کا بھائی تھا۔ اکبر نے چتوڑ پر فاتح ہونے کے بعد ۱۵۶۸ء
میں یہ اضافہ کیا تھا۔ لیکن شاید شاہجہاں کے انتقال کے بعد ۱۶۶۶ء
میں اورنگ زیب نے ان ہاتھیوں کو یہاں سے دیوان عام کے پاس
دفن کرادیا تھا۔ ۱۸۶۳ء میں ان ہاتھیوں کو یہاں سے نکالا گیا۔ دلی دروازہ
کی تعمیر سُرخ پتھر سے ہوئی ہے اور اس پر نہایت کاریگری کے ساتھ
سنگ مرمر کے حاشیے بنائے گئے ہیں۔ اس دروازہ سے ۱۹۲۴ء تک
باہر سے آنے والوں کے لئے قلعہ میں آنے کے لئے کسی قسم کی کوئی روک
ٹوک نہ تھی۔ بعد میں یہ بھی احساس ہوا کہ عمارتوں تک پہنچنے میں سیاحوں
کو کافی دِقّت ہوتی ہے اور مسافت طے کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ محکمہ آثار
قدیمہ کے افسروں نے ۱۹۲۴ء سے قلعہ کے دو حصّے کردیئے ہیں۔ ایک
حصہ فوجیوں کے لئے ہے دوسرا عمارات کا حصّہ سیاحوں کے لئے۔ جو حصّہ
فوج کے لئے مخصوص ہے اس میں کوئی عمارت نہیں ہے۔ صرف
انگریزی فوج اس میں رہتی ہے اور ان کے لئے کچھ رہائش گاہیں بنا
دی گئی ہیں اور دلی دروازہ بھی صرف ان فوجیوں کی آمدورفت کے
لئے مخصوص کردیا گیا ہے۔ بادشاہ اور شہزادے اور شہزادیوں کے
استقبال کے وقت جو نوبت خانہ اس دروازہ پر بجتا تھا وہ اب بھی
اپنی جگہ پر رکھا ہوا ہے۔

(۴)

امر سنگھ گیٹ

قلعہ کے جنوب میں یہ دروازہ ہے اور اب قلعہ میں عام داخلہ ۲ر آنہ کا ٹکٹ خرید نے پر مخصوص اوقات میں اسی گیٹ سے ہوتا ہے۔ حکام کی آمدورفت کے لئے شاہی عہد میں یہی دروازہ تھا اور ان سب کی کوٹھیاں بھی قلعہ کے سامنے ایک قطار میں بنی ہوئی تھیں۔ اور ضرورت کے وقت امراد حکام اس دروازے سے قلعہ میں جلد پہنچ جاتے تھے۔ حیرت ہے کہ قلعہ اپنی جگہ پر اب تک قائم ہے مگر ان کوٹھیوں کا کہیں نشان تک نہیں ملتا۔ یہ سوال بھی اپنی جگہ پر اہم ہے کہ اس دروازہ کو امر سنگھ گیٹ کیوں کہا جاتا ہے؟ یہ ایک ہیجان انگیز اور دلنشین قصہ ہے۔ بہر حال یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ شاہجہاں کے زمانہ ہی میں اس دروازہ کا نام امر سنگھ گیٹ پڑا۔ بعض تاریخ نویسوں نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ راجہ امر سنگھ راٹھور کی خوبصورت عمارت تو محلہ امر سنگھ اس گیٹ کے سامنے ہی تھی اسی وجہ سے اس دروازہ کو امر سنگھ گیٹ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ یہ دروازہ ایک اہم تاریخی حیثیت رکھتا ہے ۱۶۴۶ء میں راجہ گج سنگھ راٹھور کے باہمت فرزند امر سنگھ نے اپنی بہادری

اور جانبازی کی بنا پر شاہجہاں کے درباری انتخاب میں جگہ حاصل کرنے کا افتخار حاصل کیا۔ سوئے اتفاق یہ ہوا کہ ایک ناگہانی اور شدید بیماری کے باعث ایک عرصۂ طویل تک امر سنگہ دربار میں نہ جا سکا۔ کرن سنگہ راجہ بیکانیر کی کسی وقت پر ملکی تقسیم کے سلسلہ میں شکر رنجی ہو گئی تھی اس نے اس وقت کو غنیمت جان کر وزیر خزانہ صلابت خاں کے کان بھر دیئے۔ چنانچہ بحالی صحت کے بعد جب امر سنگہ دربار میں حاضر ہوا تو وزیر خزانہ سے گفتگو کے درمیان میں کچھ اس درجہ ردو قدح ہو گئی کہ امر سنگہ وفور جذبات میں غصہ سے بے قابو ہو گیا اور بغیر دربار کے احترام کا خیال کئے ہوئے اس نے حالت غیظ میں صلابت خاں کے خنجر پیوست کر دیا۔ امر سنگہ کی اس غیر آئینی حرکت پر راجہ بے ٹھل داس کا فرزند ارجن اور خلیل خاں دیگر رفقائے دربار سمیت امر سنگہ پر ٹوٹ پڑے اور ذرا سی دیر میں صلابت خاں کا بدلہ لے لیا یعنی امر سنگہ کا خاتمہ کر دیا۔ اور یہ خونی اختلاف اسی جگہ پر ختم نہ ہوا بلکہ امر سنگہ کی نعش کو قلعہ سے باہر کر کے جس وقت اس کے اعزا و احباب کو دیا جا رہا تھا تو وہاں بھی مخالفانہ چشمکوں نے تلواروں کو بے نیام کرا دیا۔ چنانچہ اسی دروازہ کے قریب اس قضیہ کی زد میں آ کر چند آدمی کام آئے۔ ایک گھوڑے

کا کٹا ہوا سر مختصر چبوترے پر اسی دروازے کے مغربی حصّہ کی دائیں طرف کھائی سے قریب گڑا ہوا ہے۔ سیاحوں کو اکثر گائڈ یہ بتاتے ہیں کہ یہ سر اُس گھوڑے کی یادگار ہے جو فصیل پر سے امر سنگھ کو لے کر یہاں کودا تھا۔ لیکن اس قسم کے بیانات غرضی اور من گھڑت کہانی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ امر سنگھ کے گھوڑے کا اتنی بلند فصیل تک پہونچ جانا اور اس عظیم اونچائی سے نیچے کود جانا قطعی ناممکن ہے اور خواب کی بات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ قرین قیاس تو صرف یہ ہو سکتا ہے کہ امر سنگھ کے قلعہ میں قتل ہو جانے کے بعد نعش دیتے وقت جو قلیل سی جنگ ہوئی اس وقت اسی مقام پر (جہاں کہ گھوڑے کا سر ہے) یہ گھوڑا بھی کام آگیا ہو۔ اور بس اس سے زیادہ سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔

ان تمام واقعات سے قطع نظر امر سنگھ گیٹ کو ایک خصوصیت یہ بھی حاصل ہے کہ ۱۸۰۳ء میں مرہٹوں کی گرفت سے لارڈ لیک نے اکبر آباد کو جب آزاد کرایا تو قلعہ پر قابض ہونے کے لئے اندر داخلہ اسی دروازہ سے ہوا۔ جس قدر لارڈ لیک کے زمانہ میں اس دروازہ کو اہمیت حاصل تھی اسی قدر سیاحوں کے لئے آج بھی یہ گیٹ ایک اہمیت رکھتا ہے۔

پُل سیاحوں کو قلعہ دیکھنے جانے کے لئے امرسنگھ گیٹ میں سے گذرنے کے لئے تختوں کے ایک پُل سے ہو کر داخل ہونا ہوتا ہے۔ یہ پل بہت ہی اچھے طور پر بنایا ہے۔ امرسنگھ گیٹ کے پھاٹک کے پیچھے دو زنجیریں لگی ہوئی ہیں خطرے کے وقت زنجیریں کھینچنے سے یہ پُل اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس پل کے اٹھ جانے سے امرسنگھ دروازہ اور آنے کے راستہ کے درمیان کھائی حائل ہو جاتی ہے اور اور پھر کسی صورت میں بھی قلعہ میں اس گیٹ سے آمد و رفت نہیں ہو سکتی۔ موجودہ پل پہلے ہی پل کی ترمیم شدہ شکل میں ہے۔ یہ اس حکومت کی ایجاد نہیں ہے بلکہ ان ہی دور رس حکمرانوں کے دماغ کے مصلحت آمیز ہونے کا ثبوت ہے۔ اور بھی ایک خاص بات ہے کہ پھاٹک کے اندر دونوں طرف پتھر کے دو بڑے بڑے گونلے لگے ہوئے ہیں جو پُل اٹھ جانے پر نیچے گر جاتے ہیں اور پل کے لگ جانے پر اپنی جگہ پر پہنچ جاتے ہیں۔

پہلا پھاٹک سیاح پل طے کرنے کے بعد امرسنگھ دروازہ کے پہلے پھاٹک میں داخل ہوگا۔ اس پھاٹک کے دونوں طرف دو چھوٹے دالان ہیں بائیں جانب دالان میں ٹکٹ گھر قائم ہے جس کے ذریعہ قلعہ میں داخلہ ہوتا ہے۔

دوسرا پھاٹک ٹکٹ خرید کرنے کے بعد کچھ آگے چلنے پر ایک بلند پھاٹک اور ملتا ہے۔ یہ امر سنگھ دروازہ کا دوسرا پھاٹک ہے۔ تعمیری فن کے اعتبار سے یہ پھاٹک اعلیٰ صناعی کا بہترین شاہکار ہے۔ اس کی محرابیں اور حاشئے خوبصورت اور رنگین چینی سے بنائے گئے ہیں۔ گو اُس دَور کی سی دل آویزی تو اب نہیں ہے البتہ کہیں کہیں اس کے نشانات پہلی چمک دمک کا ضرور پتہ دیتے ہیں اس کی اونچائی اور قرینہ سے تعمیر بھی باعث صد آفریں ہے۔ قریب سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اصل محراب سے ہمرشتہ ایک محراب اور بھی ہے۔ خیال ہے کہ یہ بعد میں اضافہ کی گئی ہے۔ ایک جگہ پھاٹک کی پشت پر کچھ زرد نشانات نمایاں ہیں اس کے لئے روایت ہے کہ امر سنگھ کے قتل کی خبر سننے پر اس کی شریکِ حیات نے اس جگہ چوڑیاں توڑی تھیں جن کی رگڑ اور اس کی گریہ وزاری سے پتھر کچھ نرم ہو گیا تھا اور یہ زرد نشان طلائی چوڑیوں کے ہیں۔ لیکن یہ روایت کچھ صادق نہیں معلوم ہوتی بلکہ شاید واقعہ یہ ہے کہ اس پھاٹک سے پہلے جو پھاٹک تھا اس کے پیتل کے کنڈوں سے اس قسم کے نشانات ہو گئے اور بس۔

تیسرا پھاٹک تیسرا پھاٹک دوسرے پھاٹک کے گذر جانے کے بعد آتا ہے۔ اس پھاٹک کے اوپر کے حصہ ادر محرابوں

و برجیوں کو زرد اور نیلے رنگ کی چینی سے بنایا گیا ہے۔ اس قسم کی چینی اب ڈھونڈے سے نہیں ملتی اور آج سوائے شکستہ چینی کے روضہ کے اور کہیں اس کا نمونہ ہی نظر نہیں آتا۔ تین سو سال گذرنے کے باوجود بعض جگہ چینی کے ٹکڑے اپنی اصلی صورت میں موجود ہیں۔ لیکن چونے کی کمزوری کی بناپر اکثر شکستہ ہو کر گر چکے ہیں۔ محکمۂ آثار قدیمہ کا افسر، کسٹوڈین (محافظ) اس پھاٹک کے اوپر رہتا ہے۔ پہلے اس جگہ فوجی افسر رہتا تھا۔ ایک چپراسی سیاحوں سے ٹکٹ لینے کے لئے اسی دروازہ پر قلعہ کے کھلنے کے اوقات میں رہتا ہے۔

عماراتِ قلعہ

امر سنگھ گیٹ کے تیسرے پھاٹک کے اندر کی طرف پکے فرش کی ایک سڑک کچھ اونچی ہوتی چلی گئی ہے۔ جس جگہ یہ سڑک ختم ہوتی ہے اس جگہ کھڑے ہونے پر دائیں جانب ایک شاداب میدان گھاس کا ہے اور جس کے چہار طرف سُرخ بجری کی روشیں اہتمام سے بنائی گئی ہیں عین درمیان میں جہاں یہ روشیں ملتی ہیں چبوترے پر ایک حوض ہے جسے جہانگیری حوض کہتے ہیں۔

جہانگیری حوض

پتھر کے ایک ٹکڑے سے تراش کر یہ حوض تیار کیا گیا ہے۔ پانچ فیٹ اونچا اور ۲۵ فیٹ پر محیط ہے۔ قطر میں آٹھ فیٹ اور گہرائی میں چار فیٹ ہے۔ اُترنے چڑھنے کے لئے حوض کے اندر چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں بھی بنائی گئی ہیں۔ اس حوض کے متعلق بہت سی روایات ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ کسی جگہ زمین کھودنے میں برآمد ہوا۔ کسی کی رائے ہے کہ بطور تحفۂ "نذر" کسی راجہ نے شہنشاہ جہانگیر کو یہ حوض دیا تھا۔ اکثر کا فیصلہ

ہے کہ شہنشاہ جہانگیر نے خود بنوایا تھا۔ ان تینوں بیانات میں سے آخری دو روایتیں قیاس میں آتی ہیں اور صحیح بھی معلوم ہوتی ہیں۔ چند اشعار فارسی میں اس کے چاروں طرف کھدے ہوئے تھے جو کہ اب مٹ چکے ہیں۔ اب سے چند سال قبل صرف دو شعر مع مادۂ تاریخ پڑھے جا سکتے تھے۔ وہ یہ ہیں :۔

شہنشاہ کہ از تدبیر او شد کار تقدیرے
پناہِ ملک و دیں شاہ جہانگیر ابن اکبر شاہ
نہاں شد از خجالت زمزم از حوض جہانگیرے
طلب کردند چوں از خضر سال او خرد گفتا

۱۰۱۹ھ

تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ ۱۰۱۹ھ مطابق ۱۶۱۰ء یہ سال شہنشاہ اور ملکۂ نور جہاں کی شادی کا سال تھا۔ یہ بھی اس لئے ممکنات میں سے ہے کہ شہنشاہ اور ملکہ کی شادی کے موقع پر کسی راجہ نے بطور تحفہ جواہرات سے بھر کر پیش کیا ہو۔ پہلے یہ حوض نہ معلوم کیوں کمپنی باغ "آگرہ کینٹ" میں پہنچا دیا گیا تھا۔ لیکن پھر اس کے بعد اسے اپنی اصلی جگہ پر قلعہ میں ۱۹۰۷ء میں لا کر رکھ دیا گیا۔

باؤلیاں

دو بہت بڑی بڑی باؤلیاں اسی میدان کے جنوبی مشرقی گوشہ

میں بنائی گئی ہیں۔ ان باولیوں میں چھ منزلیں ہیں۔ سب سے نیچے کے درجے میں چار در ہیں اور باقی پانچ منزلوں میں چھ چھ در بنائے گئے ہیں۔ دو زینے ہر باؤلی میں جانے کے لئے ہیں اور ہر زینے میں ۹۶ سیڑھیاں ہیں۔ فوجی ضرورتوں کے اعتبار سے دریائے جمنا کے قریب ہونے کے باوجود قلعہ میں ان باولیوں کا ہونا ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور شاید ان کی تعمیر کی وجہ یہ تھی کہ قلعہ کے محاصرے کے وقت اگر جمنا سے پانی نہ آسکے تو اہالیان قلعہ کو کوئی تکلیف نہ ہو اور پانی ان باولیوں سے لیا جا سکے۔ ان باولیوں سے پرانے زمانہ میں ایک فائدہ اور بھی تھا۔ اکبر آباد کی گرم و خشک آب و ہوا مغل شہزادوں و شہزادیوں کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ چنانچہ ان کے لئے قلعہ میں محلات کے نیچے کمرے تعمیر کرائے گئے تھے۔ ایک تو زمین کے نیچے کے حصّہ میں ہونے کی وجہ سے یہ کمرے ٹھنڈے ہی رہتے تھے پھر یہ کچھ اس طور سے بنائے گئے تھے کہ ان کا سلسلہ باؤلیوں سے ملا دیا گیا تھا۔ تاکہ گرمی کے وقت باولیوں کی راہ سے سرد ہوا پہنچتی رہے اور شہزادہ و شہزادیاں آرام و سکون سے وقت گذار سکیں۔ اب چند سال سے ایک باولی کے اندر بجلی کا پمپ بھی لگا دیا گیا ہے۔ جکے ذریعہ سے میدان میں پانی چھڑکنے اور گھاس میں پانی دینے کے لئے

کھینچ لیا جاتا ہے۔

بنگالی محل

کچھ کھنڈر بھی جہانگیری حوض کے جنوبی مشرقی حصہّ میں دکھائی دیتے ہیں۔ جس طرف جنوبی حصہّ میں کھنڈر کا آخری سرا ہے وہاں ایک نہایت ہی اچھا محل بنا ہوا ہے۔ اسے ہی بنگالی محل کہتے ہیں۔ سُنا جاتا ہے ۱۶۰۰ء میں بنگالی محل اکبر نے تیار کروایا تھا۔ بظاہر اس محل کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اکبری محل سے متعلق زنانخانہ کی حیثیت رکھتا ہوگا۔ ایک برج کے جنوبی حصہ میں ہے اور ایک بہت بڑا ستون اس برج کے درمیان میں کھڑا ہے۔ یہ ستون کسی نئے اضافہ کا پتہ دیتا ہے۔ اس ستون کا بالائی چبوترہ توپ رکھنے کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ انگریزوں کی سلطنت کے آغاز کے زمانہ میں بنگالی محل کو فوجی جیل خانہ کردیا گیا تھا۔ لیکن پرنس آف ویلز کے حسب الحکم ۱۹۰۵ء میں فوجی جیل کو یہاں سے منتقل کردیا گیا۔

اکبری محل

بنگالی محل کے شمال کی طرف کچھ کھنڈر اور بھی ہیں۔ شہنشاہ اکبر

کے ذوق تعمیر کے پیش نظر یہی خیال قائم کیا جا سکتا ہے کہ یہ محل بھی اکبر کی تعمیری یادگار ہے لیکن افسوس اب یہ محل شکستہ ہو چکا ہے اور صرف ایک پتھر کا ڈھیر کہا جا سکتا ہے۔ محکمۂ آثار قدیمہ نے اس کے صحن کو صاف کرایا ہے۔ جانب مشرق جو چند دالان ہیں ان کے پیش نظر اس محل کی حد بھی قائم کی جا سکتی ہے اور یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ اس وسیع صحن کے چہار طرف کمرے اور دالان ہوں گے۔ لیکن حیف صد حیف کہ اسکا تحفظ نہ ہو سکا اور یہ عمارت اپنے وقت سے پہلے مسمار ہو چکی۔ چند نشانات اور کچھ علامات ہیں کہ جن کے پیش نظر اندازہ ہوتا ہے کہ اس جگہ یہ ایک عظیم عمارت ہو گی۔

جہانگیری محل

جہانگیری محل جہانگیری حوض کے مشرق کی طرف اکبری محل کے شمالی حصہ سے بالکل ملا ہوا ہے۔ اس میں تعمیر کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ مغل اور ہندو آرٹ میں سمویا ہوا ایک شاہکار ہے۔ صناعی کی ایجادات قابل قدر ہیں۔ یہ محل ہندو ملکہ کی فرمائش کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ مغل شہنشاہ نے مذہبی اعتقادات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہندو ملکہ کے ذوق اور خواہش کا کس قدر احترام کیا ہے۔ اس کا

اندازہ جہانگیری محل کی منازل دیکھنے سے ہوتا ہے۔ تاریخ یہی بتاتی ہے کہ شہنشاہ جہانگیر نے محل جودھ بائی کے لئے تعمیر کرایا تھا۔

جودھ بائی شاہجہاں کی ماں اور اودے سنگھ راجہ جودھپور کی صاحبزادی تھیں۔ تاریخ سے باوجود تلاش کے یہ پتہ نہ چل سکا کہ اس محل کی تعمیر کب ہوئی۔ البتہ تعمیر کے دیکھنے سے صرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اکبر کے آخری دورِ حکومت اور جہانگیر کے آغازِ حکومت میں اس محل کی تعمیر ہوئی۔ اس محل میں ہندو تعمیرات کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ کنول کے سفید پھول سرخ پتھر کی محرابوں میں اور پھول پتی سے کندہ کئے ہوئے چھجے اس زمانہ کی ہندو تعمیرات کے بہترین نقش ہیں۔ جہانگیری محل تعمیری طریق سے کچھ فتحپور سیکری کے محلات سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن یہ محل فتحپور کے محلات کی تعمیرات کے مقابلہ میں کچھ مضبوط اور خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ اس محل کا رقبہ ۲۶۰×۲۵۰ مربع فیٹ بتایا جاتا ہے۔ چینی کے بعض ٹکڑے اب بھی دوسری منزل کے اکثر حصّوں میں چمکتے نظر آتے ہیں۔ محل کی دیواروںکو بغور دیکھنے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس پر کچھ تصاویر آرٹسٹ سے نقش کرائی ہوں گی کیونکہ بعض جگہ تصویروں کے ہلکے ہلکے نقش ملتے ہیں۔

اس محل میں مغل انجیر نگ کے بھی اتنے عجیب اور اعلیٰ نمونہ ملتے ہیں کہ جس پر حیرت ہوتی ہے۔ شمال و مشرق کی طرف اس محل کی چھت پر متعدد حوض ساخت کئے گئے تھے جن میں سے دو اب بھی ہیں۔ ان حوضوں کے ذریعہ سے قلعہ کے جملہ اطراف میں پانی پہنچایا جاتا تھا۔ انجیر نگ کی یہ عجوبہ کاری سمجھ میں نہیں آتی کہ ان دو باولیوں سے ان حوضوں کا تعلق کس طرح پیدا کیا گیا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ان حوضوں میں باولیوں سے پانی آتا تھا اور پھر یہاں سے قلعہ کے ہر حصہ میں پانی پہنچتا تھا۔ آخری حوض میں کچھ چھید بنے ہوئے ہیں۔ جن پر ڈاٹ فٹ ہیں اور اس قلبہ کا نام ہر ڈاٹ پر کھدا ہوا ہے جہاں کہ اس چھید میں سے پانی پہنچتا تھا۔ قلبۂ حمام خورد، قلبۂ آبجوری، قلبۂ حمام کلاں قلبۂ حوض کلاں اور قلبۂ غول کے نام اب بھی غور سے دیکھنے پر پڑھ لئے جاتے ہیں۔ اب بھی کبھی کبھی ان ہی حوضوں میں پانی بھر کر قلعہ میں پانی پہنچایا جاتا ہے اور فوارے چلائے جاتے ہیں چنانچہ ۶ مئی ۱۹۳۵ء میں شہنشاہ جارج پنجم کی جوبلی پر اسی کے ذریعہ سے قلعہ کے فواروں میں پانی بھر کر چلائے گئے تھے۔

شاہجہانی محل

جس محل کو آج شاہجہانی محل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے حقیقت

میں یہ جہانگیری محل کا شمالی حصہ ہے لیکن یہ حقیقت بھی مسلّم ہے کہ اپنے مذاق اور اپنی ضروریات کے پیشِ نظر شاہجہاں نے اس میں کچھ تغیّر و تبدّل کرا دیا تھا۔ ۱۸۷۵ء تک اس محل کے چند کمروں کو محکمۂ آثارِ قدیمہ عجائب خانہ کے طور پر مستعمل کرتا رہا ہے۔ سرحدی صوبہ کے لفٹیننٹ گورنر آنریبل جان رسل کالون کی وفات اسی محل میں ۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ہوئی تھی جن کی قبر دیوان عام کے صحن میں موجود ہے۔

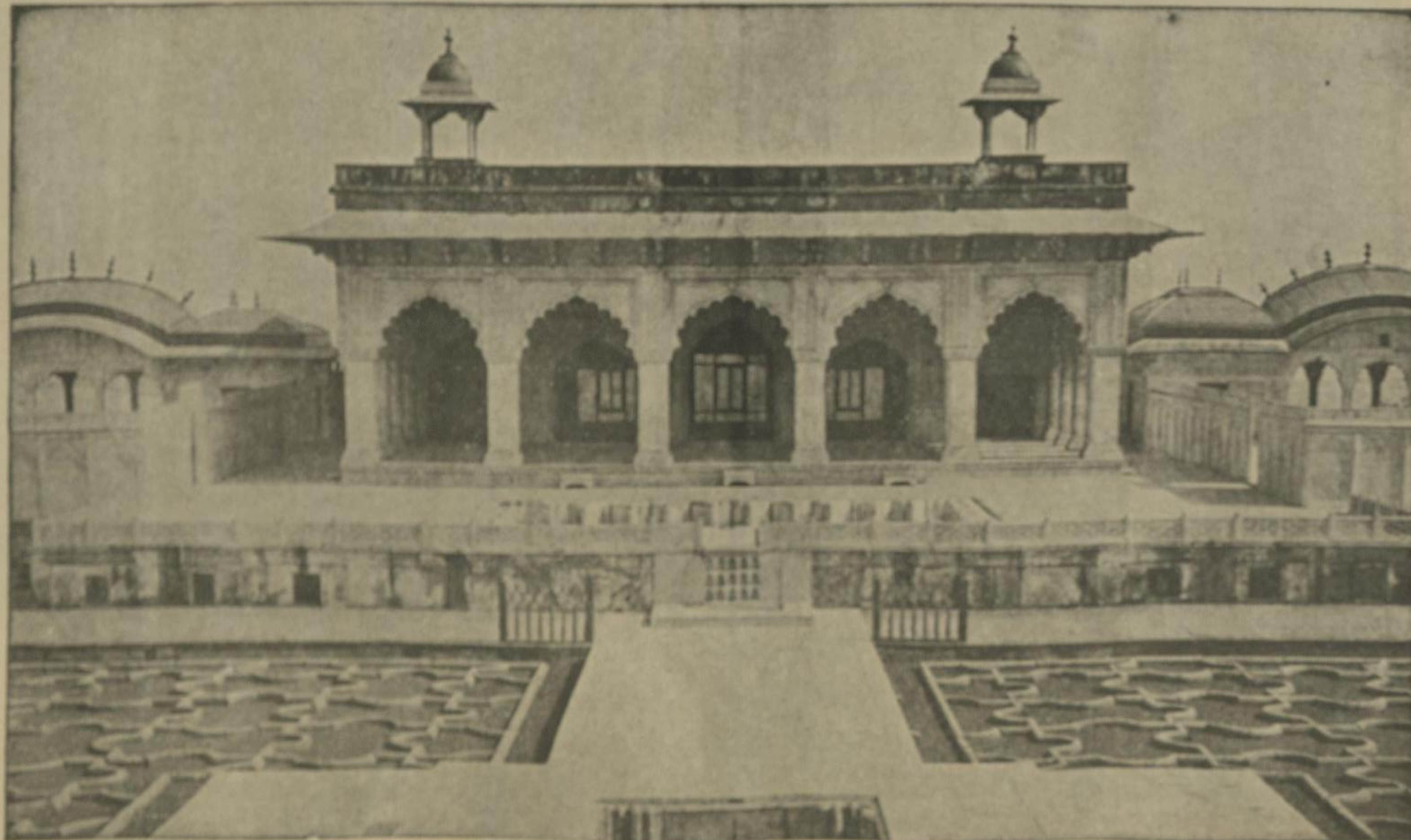
پھاٹک سومنات

ایک کمرہ میں ایک پھاٹک شاہجہانی محل کے شمال کے رُخ میں رکھا ہوا ہے۔ اس پھاٹک کی لمبائی چوڑائی کا اوسط ۱۲ فیٹ اور ۹ فیٹ بتایا جاتا ہے۔ اس کے لئے یہ روایت بھی ہے کہ یہ پھاٹک صندل کا ہے اور یہ بھی کہ محمود غزنوی اسے سومنات کے مندر سے ۱۰۲۵ء میں اکھاڑ کر غزنی لے گیا تھا۔ لیکن یہ روایت قطعاً غلط معلوم ہوتی ہے اور صحیح یہ ہے کہ جنرل نوٹ وائسرائے ہند لارڈ النبرا کے حکم پر افغانوں کی پہلی لڑائی کے بعد ۱۸۴۲ء میں اس پھاٹک کو غزنی سے یہاں لایا گیا تھا اور یہ پھاٹک صندل کی لکڑی کا نہیں بلکہ دیودار لکڑی کا ہے۔ اس پر چند کتبے بھی کھدے ہوئے ہیں جو کہ نجات کا سبق دیتے ہیں، آلائش دنیا سے

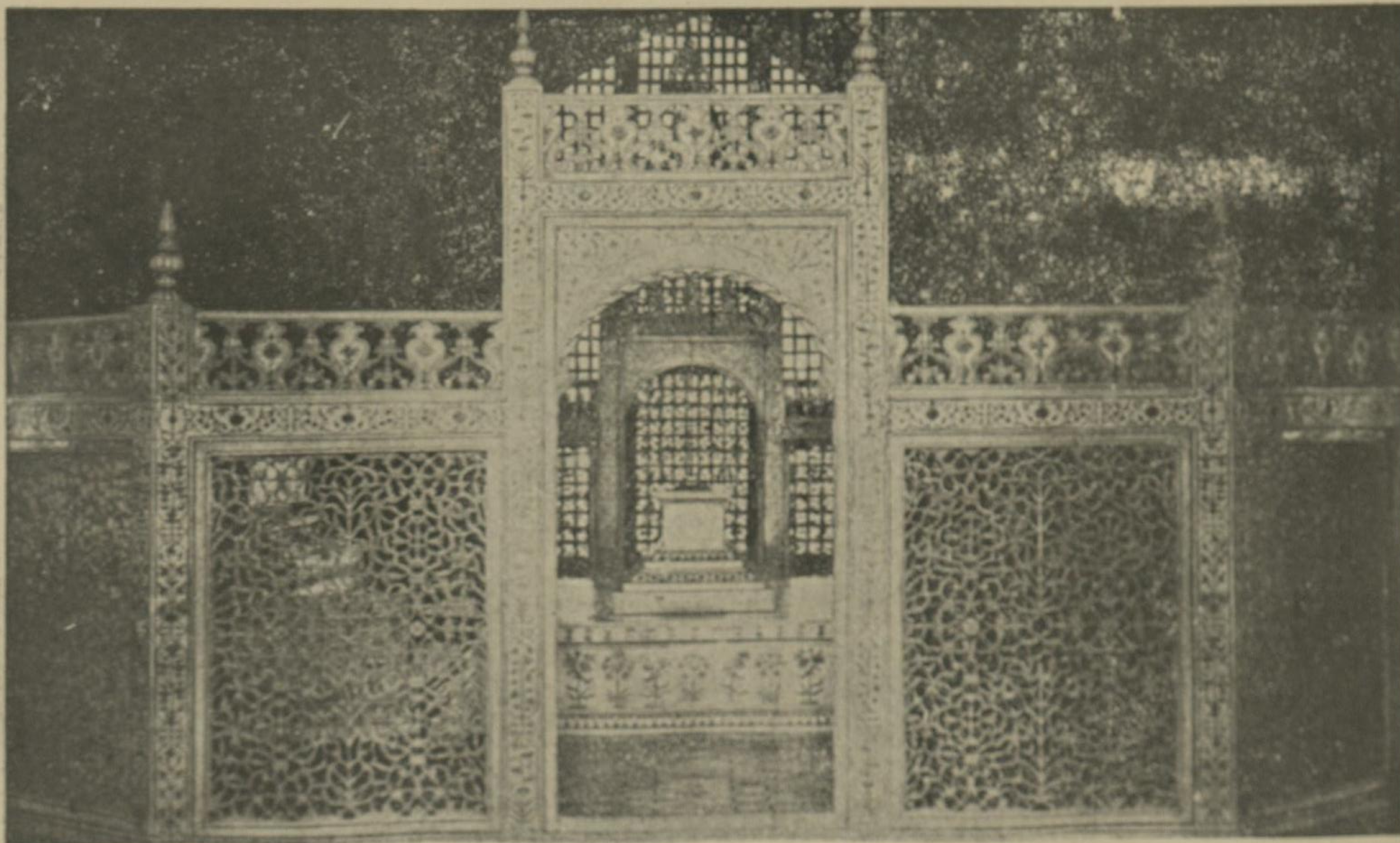
سے دور رہنے کی طرف مائل کرتے ہیں اور سلطان محمود کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کی بھی یاد دلاتے ہیں۔ اس سے قبل یہ پھاٹک دیوانِ عام میں کئی سال تک رکھا رہا۔ بعد میں اس کو شاہجہانی محل کے اس نفیس کمرہ میں سنہ ۱۸۷۰ء میں کسی مصلحت کی بنا پر لا کر رکھ دیا گیا۔

خاص محل

اس محل کو "آرام گاہ" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے اور جو فارسی قطعے اس کی دیوار پر کندہ ہیں ان کے دیکھنے سے اس کی تاریخ تعمیر کا اندازہ ہوتا ہے جو کہ سنہ ۱۶۳۶ء ہے۔ رنگین پھولوں اور زرّیں کاموں سے خاص محل کی چھت کو سجایا گیا ہے۔ گو حادثاتِ ارضی و سماوی کے باعث اصل نقش بعض جگہ سے دھندلے ہو چکے ہیں اور بعض جگہ سے مٹ چکے ہیں مگر اس زمانہ میں اس محل کی کیا حالت ہوگی، اس کی خوشنمائی کتنی، آب و تاب پر ہوگی، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور اس کا پتہ اس تھوڑے سے شمالی حصہ سے بھی چل سکتا ہے کہ جس کو آثار قدیمہ نے مجلّا کرا دیا ہے۔ تاریخ شاہد ہے اور کہیں کہیں ایسے نقش بھی موجود ہیں جن کو دیکھ کر یہ پتہ چلتا ہے کہ اس محل کی دیواروں پر مغل حکمرانوں کی تصاویر بھی تھیں جو کہ ایرانی مصوّری کے شاہکار کہی جا سکتی



Khas Mahal Angoori Bagh Fort Agra.



SCREEN IN TAJ MAHAL AGRA.

تھیں۔ شاہجہاں نے یہ خاص محل خصوصیت کے ساتھ حرم کی خواتین کے لئے ساخت کرایا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اپنی چہیتی اور لائق دختر جہاں آرا نیز حرم کی دوسری خواتین سے شہنشاہ اسی محل میں دید وادید کیا کرتے تھے۔

سنگِ مرمر کی بہترین عمارتیں بھی خاص محل کے شمالی اور جنوبی حصہ میں بنائی گئی ہیں۔ سنا جاتا ہے کہ رعایا کو جنوبی حصہ کے ایک گوشہ سے اکثر شہنشاہِ شاہجہاں درشن دیا کرتے تھے اور شمالی حصہ شہزادی جہاں آرا کے قیام ورہائش کے لئے وقف تھا۔

انگوری باغ

ایک میدان خاص محل کے بالمقابل ہے جو کہ شمال اور جنوب کی طرف سے ۲۲۰ فیٹ اور شرق وغرب کی طرف سے ۱۲۹ فیٹ ہے۔ اس میں ایک خوشنما باغ ہے۔ مغلوں کی رومان آفرینی کا اندازہ بھی اس باغ سے ہوتا ہے۔ اس باغ میں سُرخ پتھر کا لہریا بھی ڈالا گیا ہے اور بیچ میں ایک بہت ہی خوبصورت حوض ہے جس میں پانچ فوارے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ باغ بیگمات کی دلبستگی کے لئے شہنشاہِ اکبر نے تیار کرایا تھا۔ اس کے بعد شاہجہاں نے اس باغ میں اس لئے کشمیر سے مٹی منگوا کر

ڈلوائی تھی کہ اس میں انگور زیادہ تعداد میں پیدا ہو سکیں۔ اس دور میں اس کے چاروں طرف پتھر کی جالی بھی تھی جس پر انگور کی بیلوں نے پردہ ڈالا ہوا تھا۔ باغ کی دوسری منزل میں چند کمرے بھی ہیں یہ خواتینِ حرم کی "آرام گاہ" کے طور پر تھے۔

شیش محل

ایک زنانہ حمام انگوری باغ کے شمال اور مشرق کے حصہ میں ہے اور اسی کو شیش محل کہتے ہیں۔ یہ حمام خاص بیگمات کے لئے تھا۔ اس میں سنہری کام اور مختلف قسم کے نقش ونگار کئے گئے ہیں اور اس کی دیواروں پر آئینہ بھی لگے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ شیش محل کہا جاتا ہے۔ اس میں دو حوض بھی ہیں۔ پہلے حوض میں جھرنے کے ذریعہ پانی پہنچایا جاتا تھا اور جب اس میں پانی بھر جاتا تھا تو اس میں ایک گیارہ گز لمبی اور ایک گز چوڑی نہر میں سے ہوتا ہوا پانی دوسرے حوض میں پہنچتا تھا جس طور سے عمارت کو حسین تر بنایا گیا ہے اسی طرح اس کا فرش سنگِ مرمر کی سفید سلوں کا بنوایا گیا تھا۔ لیکن افسوس آج اس کا پتہ تک نہیں۔ اس کی خوبصورتی زمانہ کی نیرنگیوں کی نذر ہو چکی ہے۔

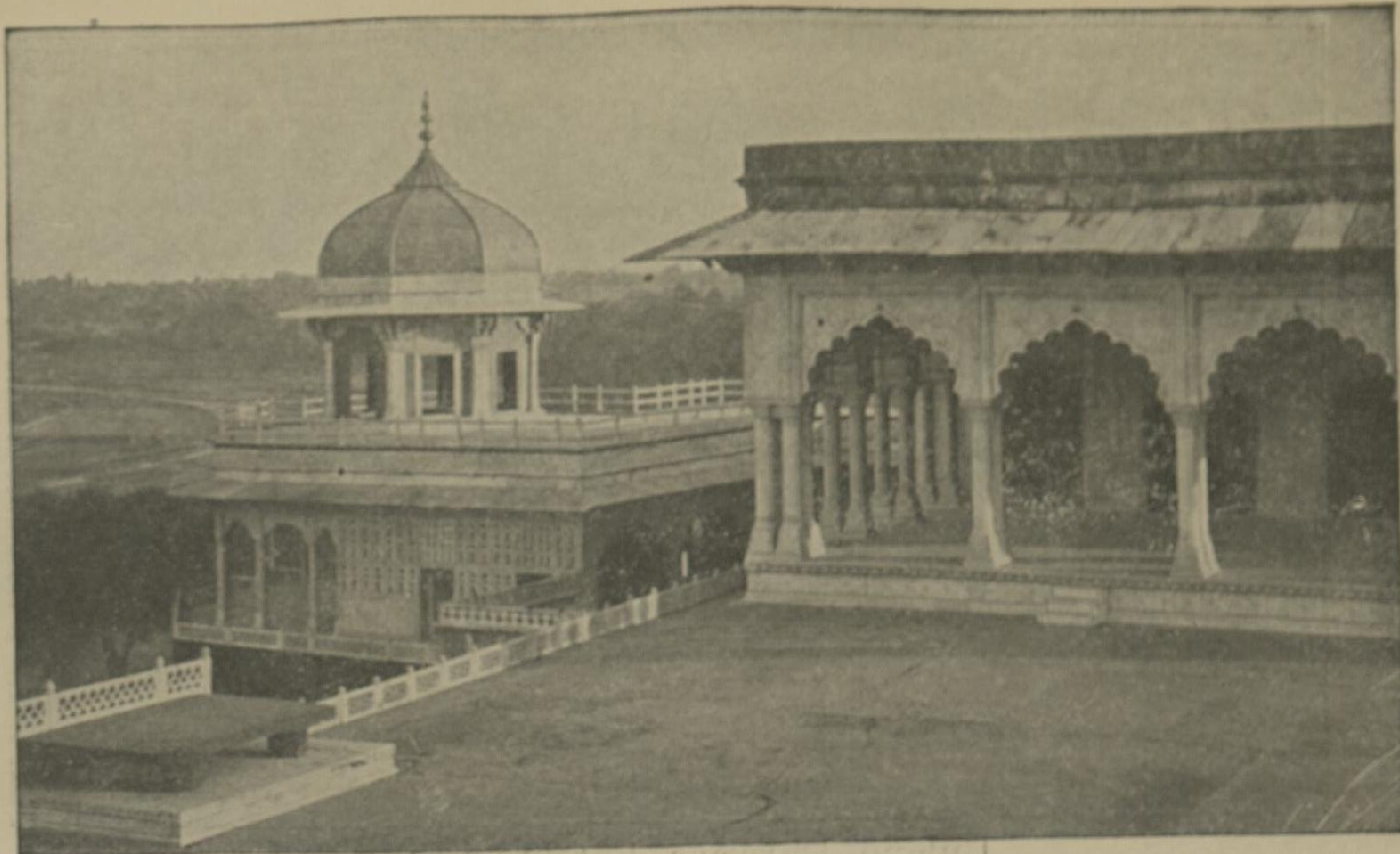
سیاح جب اس محل کو دیکھنے پہنچتے ہیں تو پھر اسی ایک قسم کی بارود

جلاتا ہے جس کی ہلکی روشنی میں اس کے شیشہ اور نقش ونگار کی چمک دمک عہد ماضی کی یاد تازہ کر دیتے ہیں۔ اس کے صلہ میں سیاح چپراسی کو کچھ انعام دیتے ہیں۔

مثمن برج

شمال کی جانب شیش محل سے خاص محل میں واپسی پر ایک دروازہ مثمن برج کی طرف نظر آتا ہے۔ اس برج کو ثمن برج بھی کہا جاتا ہے اور عام طور پر ثمن برج ہی سُنا گیا ہے۔ ملکۂ نورجہاں کی فرمائش پر ان کی پسند کا احترام کرتے ہوئے شہنشاہ جہانگیر نے اس برج کو تعمیر کرایا تھا۔ ملکۂ نورجہاں کی تمام تر دلچسپیاں اس برج سے وابستہ ہو گئی تھیں۔ اس کا ثبوت اس حقیقت سے واضح ہے کہ مثمن برج میں جو عدیم المثال پچی کاری کے پھول پتے اور بیلیں بنی ہوئی ہیں ان کے نقشے خود ملکہ نے تیار کر کے دیئے تھے۔ یہ برج شہنشاہ شاہجہاں کو بھی بہت پسند تھا اسی لیے انھوں نے اپنی ملکہ ارجمند بانو (جن کو ممتاز محل کا خطاب تھا) اور اپنے حسن مذاق کے مطابق کچھ تبدیلیاں کرالی تھیں۔ اس بُرج سے شاہجہاں کی پسندیدگی کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ ۱۶۶۶ء میں تاج محل کی طرف دیکھتے ہوئے اسی بُرج

پر شاہجہاں کی وفات ہوئی۔ ایک چھوٹا سا طشت اس برُج کے درمیان میں تعمیر کیا گیا ہے تاریخ پتہ دیتی ہے کہ شاہی زمانہ میں اس میں عطر اور گلاب کے فوّارے چلائے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں جبکہ مغلیہ پرچم قلعہ کی دیواروں پر لہرا رہا تھا جب اس برُج کی کیا حالت ہوگی۔ اس پر جو سُنہری نقش و نگار تھے (جن کا اب نشان تک باقی نہیں) کیا کچھ جاذب نظر اور جاذب توجہ ثابت نہ ہوتے ہوں گے۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ان میں انمول پتھر اور جواہرات کے کام بھی کندہ کئے گئے تھے۔ جمنا کی جانب جو ایک سنگ مرمر کا ستون برج میں لگا ہوا ہے یہ یہ مشرق کی طرف ہے۔ اس میں چند قیمتی شیشے اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ ان شیشوں اور ان کے لگائے جانے کے طریق پر انسانی دماغ انگشت بدنداں ہو جاتا ہے۔ ان چند شیشوں میں ذرا آڑے سے دیکھا جائے تو پورا تاج محل نظر آتا ہے۔ یہ عجوبہ کاری قدیمی تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ۴۴×۳۳ مربع فیٹ ایک صحن ایک برج کے مقابل ہے جس پر سنگ مرمر اور رنگین پتھر کی پچیسی بنی ہوئی ہے۔ ۴۶۵ مربع فیٹ کا سنگ مرمر کا ایک چبوترہ اس صحن کے شمالی حصہ میں ہے دو دروازے اس چبوترہ کے مغربی حصہ میں ہیں۔ ایک دروازہ شیش محل میں جانے کے لئے ہے اور دوسرے سے تہ خانوں



Jesmine Tower And Diwan-I-Khas In Fort Agra.



Buland Darwaza Fatehpur Sikri.

میں جانے کا راستہ ہے۔ ان تہ خانوں میں سے ایک تہ خانہ بطور بیت الخلا استعمال ہوتا تھا۔ یہ تہ خانہ صنعت کا ایک اعلیٰ نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ اس میں صنعت کا یہ کمال ہے کہ بغیر روشنی کے کسی سامان کے اس میں اُجالا رہتا ہے۔ اس اُجالے کا حصول ایک مقام پہ ایک پتھر لگا کر کیا گیا ہے جس کے اوپر باہر کی روشنی پڑ کر تہ خانہ کے اندر داخل ہوتی ہے اسی لئے اس میں روشنی کے کسی انتظام کی چنداں ضرورت نہیں۔

مینا مسجد

یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو کہ دیوان خانہ سے بالکل ملی ہوئی ہے۔ یہ صرف شہنشاہ اور خواتین حرم کے لئے تھی۔ اس مسجد کی تعمیر شہنشاہ شاہجہاں نے کرائی تھی۔

دیوان خاص

۱۶۳۷ء میں شہنشاہ شاہجہاں نے دیوان خاص کو بنوایا تھا۔ تاج محل کی تعمیر کا کام بھی اسی زمانہ میں جاری تھا۔ دو بڑے بڑے دالان دیوان خاص میں ہیں۔ شہنشاہ اسی جگہ پر دوسرے

حکمرانوں۔ رؤسا و نیز اپنے مہمان امراء و ایلچیوں سے ملاقات کیا کرتے تھے۔ سلطنت کے تمام امور بھی یہیں طے پایا کرتے تھے۔ جمنا کی طرف کی محراب دیوان خاص کی ٹوٹ چکی ہے۔ لارڈ لیک نے ۱۸۰۳ء میں جب اس قلعہ کو گھراؤ میں لے لیا تھا۔ توپ کا ایک گولہ اس وقت اس محراب میں لگتا ہوا اُچٹ کر دیوان خاص کے صحن میں بچھے ہوئے سنگ موسیٰ کے تخت پر پڑا تھا جس سے تخت میں بھی دراڑ پڑ گئی ہے۔ اس تخت میں سب سے بڑی صنعت کی کاریگری یہ ہے کہ ایک پتھر کو کاٹ کر ساخت کیا گیا ہے۔ اسے شہزادہ سلیم (جہانگیر ۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء) نے تیار کرایا تھا۔ یہ اندازہ تخت پر کھدے ہوئے اشعار و تاریخ سے ہوتا ہے۔ شہنشاہ اکبر سے بغاوت کر کے شہزادہ سلیم اسی تخت پر متمکن ہو کر الہ آباد میں مقدمات فیصل کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد اس تخت کو الہ آباد سے یہاں لاکر رکھ دیا گیا اور جب سے یہ تخت دیوان خاص کے صحن میں جمنا کی جانب رکھا ہوا ہے اور اس کے سامنے ہی ایک سنگ مرمر کا تخت بھی اسی صحن میں ہے۔ تاریخ یہ بھی بتاتی ہے دیکھنے والوں کا بھی کہنا ہے کہ ان تختوں کے چاروں طرف سنگ مرمر کا بنا ہوا جالیدار کٹہرا تھا جو امتداد زمانہ کی نذر

ہو چکا ہے۔ اب وہاں اس کا نشان تک نہیں ملتا۔ اکثر بادشاہ سنگ مرمر کے تخت پر بیٹھ کر نیچے بنے ہوئے تالاب میں بطور تفریح مچھلی کا شکار فرمایا کرتے تھے۔

شکارگاہ یا مچھی بھون

دیوان خاص کے مغرب کی طرف نیچے کے وسیع حصہ میں جس کے چاروں طرف سُرخ پتھر کی عمارات ہیں، یہی بادشاہ کی شکارگاہ تھی۔ یہ مقام "مچھی بھون" کہلاتا ہے۔ یہ شاہجہاں کا بنوایا ہوا ہے۔ اس تمام حصّہ میں چھوٹے چھوٹے خوبصورت تالاب بنے ہوئے تھے جس میں فوارے چلتے رہتے تھے۔ ان تالابوں میں ہمہ وقت صاف وشفاف تازہ پانی بھرا تھا۔ اور اس میں چاندی اور سونے کے رنگ کی خوبصورت مچھلیاں ہر وقت رہتی تھیں۔ مگر بھرت پور کے جاٹ اس خوبصورتی کو برداشت نہ کر سکے۔ اور انھوں نے ۱۷۶۱ء سے ۱۷۷۴ء کے درمیانی دور میں اسکو سخت نقصان پہنچایا اور اس کی شان وخوبصورتی کو اس درجہ برباد کر دیا کہ اب یہ شبہ تک بھی نہیں ہوتا کہ کسی زمانہ میں یہ مقام دلکش وشاندار بھی تھا۔

پھاٹک چتوڑ گڈھ

شکار گاہ یا مچھی بھون کے شمال کی طرف ایک بہت بڑا پھاٹک ہے اس کے لئے روایت ہے کہ فتح کی یادگار کے طور پر چتوڑ گڈھ کے قلعہ سے اکھڑوا کر اس کو یہاں لا کر لگوا دیا تھا یہ اس وقت کا ذکر ہے کہ جبکہ ۱۵۶۷ء میں اکبر نے چتوڑ کو فتح کیا تھا یہی ایک پھاٹک ہے جو اس عہد شاہی کی یادگار کہا جا سکتا ہے۔

مچھی بھون کے مغرب کی جانب چھوٹے چھوٹے کمرے سے تعمیر کرائے گئے ہیں جن میں اب دوکانیں ہیں جو کہ فوٹو گرافر۔ پیتل کے سامان۔ شال فروشی وغیرہ کی ہیں۔ وہاں اچھا اچھا سامان فروخت ہوتا ہے۔ یہ کمرے ہر سال بطور ٹھیکہ دوکانداروں کو دیئے جاتے ہیں۔ ٹھیکہ کے معاوضہ کے طور پر آثار قدیمہ کو ایک بڑی رقم مل جاتی ہے۔

اکبری حمام

دیوان خاص کے بالمقابل بسوئے شمال کچھ کھنڈر یاد دلاتے ہیں کہ یہاں اکبری حمام تھے جو اب کھنڈر ہیں۔ اس دور میں

جب مغلوں کا دور دورہ تھا گرم و سرد پانی کا انتظام
ان حوضوں میں ہمہ وقت رہتا تھا اور اب کچھ نہ پوچھئے ۔

نگینہ مسجد

مچھی بھون کے شمال و مغرب کی طرف یہ حسین مسجد بالائی منزل پر تعمیر کرائی گئی ہے ۔ اس کے لئے یہ روایت ہے کہ اپنے باپ شاہجہاں کے لئے شہنشاہ اورنگ زیب نے یہ مسجد ان کو اس میں پابند رکھنے کے لئے تیار کرائی تھی ۔ لیکن یہ روایت صرف روایت ہی کہی جا سکتی ہے حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ۔ اس دور کی صحیح تاریخوں کے علاوہ مشہور سیّاح برنیر نے اپنی روداد میں خود تحریر کیا ہے کہ شاہجہاں پر کسی قسم کی پابندی نہ تھی وہ ہر محل اور قلعہ کے ہر حصہ میں آ جا سکتے تھے ۔ یہ مسجد چونکہ دیوان خاص اور دیوان عام کے قریب ہے اس لئے خیال ہوتا ہے کہ شہنشاہ اور ان کے خصوصی ملازمین کی عبادت کے لئے تھی ۔

دیوانِ عام

ایک خوبصورت چھوٹا سا زینہ دیوان عام میں مغرب کی

جانب ہے یہ زینہ نگینہ مسجد کے پاس ہے۔ دورِ مغلیہ میں دربارِ عام ہوتا تھا جس میں بادشاہ بہ نفسِ نفیس رعایا اور مظلوموں کی فریادوں اور درخواستوں پر غور کر کے فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے۔ شاہجہاں کے حکمراں ہونے سے پہلے اس جگہ کسی قسم کی کوئی عمارت موجود نہ تھی اور دربار کرنے کا یہ طریق تھا کہ شاہی آرام گاہ یا حجرہ کے وغیرہ کے آگے شامیانے لگائے جاتے تھے اور شامیانہ کے لکڑی کے کھمبوں پر زرّیں کپڑے لپیٹ دیئے جاتے تھے اور یہیں دربار ہوتا تھا۔ دیوان عام کی عمارت چالیس دن کی قلیل مدت میں ۱۰۳۷ھ مطابق ۱۶۲۷ء میں شاہجہاں کے فوری حکم کی تعمیل میں تیار ہوئی۔ دیوان عام کی تعریف میں طالب کلیم نے ایک رباعی کہی تھی وہ یہ ہے ؎

ایں تازہ بنا کہ عرش ہمسایۂ اوست۔ رفعت حرفے ز رتبتِ پایۂ اوست

باغیست کہ ہر ستون سرش سرولیست۔ کاسائش خاص و عام در سایۂ اوست

کچھ اونچائی پر سنگ مرمر کی تین محرابوں کی نشست دیوان عام کے عین وسط میں ہے اس جگہ بادشاہ عدالت کیا کرتے تھے۔

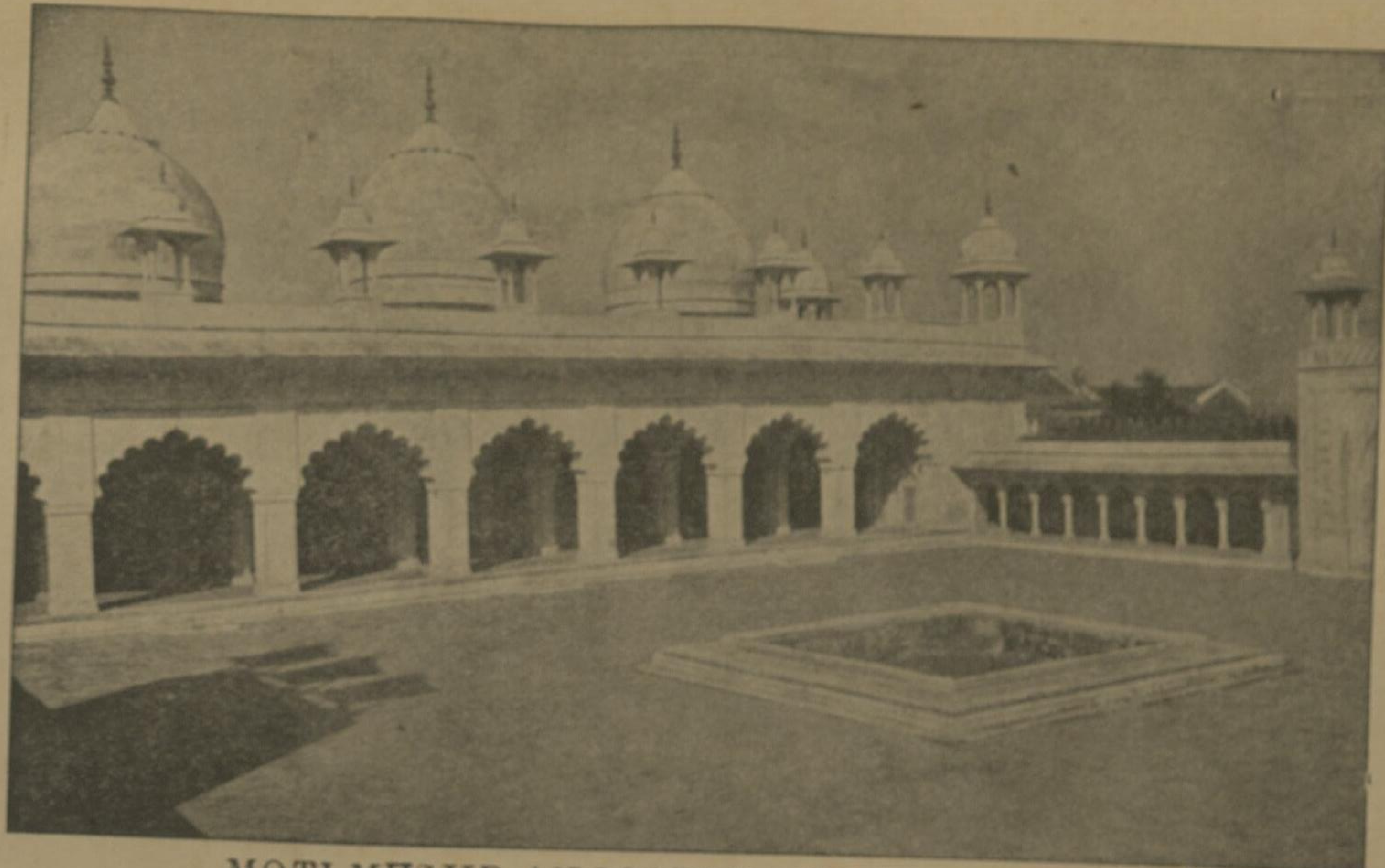
دیوان عام کی لمبائی چوڑائی ۱۹۲ فیٹ ۶۴ فیٹ ہے۔ اس کے ستون نہایت بلند سرخ پتھر کے ہیں جنہیں چونے سے

سنگ مرمر کے ستونوں سے زیادہ خوبصورت بنایا گیا ہے مولف بادشاہ نامہ کا بیان ہے کہ عہد شاہجہانی میں اس کے تینوں طرف چاندی کا کٹہرا لگا ہوا تھا۔ مغرب میں نو اور شمال و جنوب میں تین تین محرابیں ہیں۔ بعض جگہ دوہرے اور چوہرے ستون نصب ہیں۔ اس طرح کل ستون ساٹھ ہوتے ہیں اور جن کو اس طور سے نصب کیا گیا ہے کہ کل عمارت کے تین درجے ہو گئے ہیں۔

والئی جاورہ کے سفر نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ غدر سے پہلے (۱۲۶۸ھ) اس عمارت میں سرکاری میگزین رہتا تھا جس میں جدید و قدیم آلاتِ حرب وغیرہ جو سرکار کے قبضہ میں آئے تھے ترتیب و آراستگی سے اسمیں رکھے ہوئے تھے۔ دیوان عام کے مغرب میں بہت وسیع چوک ہے جس کے کناروں پر دالان اور متعدد دروازے بنے ہوئے ہیں درمیان میں ایک باؤلی بھی ہے۔ دیوان عام کے صحن میں ایک مقبرہ بھی بنا ہوا ہے۔ یہ مقبرہ آنریبل مسٹر جان رسل کالون لفٹیننٹ گورنر صوبہ جات مغربی و شمالی کا ہے جن کی وفات ۱۸۵۷ء میں شاہجہانی محل میں ہوئی تھی۔ اسی جگہ دربار عام میں اورنگ زیب کے سامنے مرہٹوں کے سردار سیواجی کو پیش کیا گیا تھا۔ سیواجی کو جس وقت دربار میں لایا گیا تھا تو اس کے عہدہ اور منصب کے مطابق جگہ دی گئی تھی۔

موتی مسجد

قلعہ کی عمارات میں سب سے زیادہ نادرالوجود عمارت ہے۔ اس کی مثال دنیا کے کسی حصہ میں نہیں ملتی۔ یہ مسجد عربی طرز تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے جسے ایک مورخ ڈاکٹر نٹرا نے تمام روئے زمین کی جملہ عبادت گاہوں پر برتری اور افضلیت دی ہے۔ صاحبِ "مرقع اکبرآباد" کا کہنا ہے کہ موتی مسجد کی سادگی یورپ کی مشہور عمارت "ڈارک" کے مطابق ہے۔ اسی طرح مشہور مبصّر فرگسن لکھتا ہے کہ اس کی خوبصورتی کو اس کے سنگ مرمر کے صحن نے دوبالا کر دیا ہے۔ یہ مسجد سطح زمین سے پندرہ گز اونچائی پر تعمیر کی گئی ہے جس کے نیچے حجرے اور دالان بنے ہوئے ہیں۔ مسجد کا طول و عرض ۱۸۰ فیٹ × ۱۶۱ فیٹ ۸ انچ بتایا جاتا ہے۔ شمال و جنوب میں تین تین درجے زنانے ہیں۔ جن کے دروں پر سنگ مرمر کی خوبصورت جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ ستون اور محرابیں بھی بہت خوبصورت ہیں۔ اس کے صحن کے درمیان میں ۳۷ فیٹ مربع ایک حوض ہے۔ مسجد کے فرش پر سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے خوشنما مصلّے بھی بنائے گئے ہیں جس کی نو قطاریں ہیں۔ صحن شرقاً غرباً ۱۵۸ فیٹ ۵ انچ ہے اور شمالاً جنوباً ۱۶۹ فیٹ ۴ انچ ہے۔ صحن میں ایک جگہ دھوپ گھڑی بھی لگی ہوئی ہے۔ چھت پر تین



MOTI MUSJID ANGOORI BAGH FORT AGRA.

گنبد اور چاروں گوشوں میں ایک مثمن برج اور صحن کی طرف سات برجیاں بنی ہوئی ہیں۔ مشرقی دیوار کے گوشوں میں بھی برج بنے ہوئے ہیں۔ تینوں جانب ایک ایک دروازہ ہے جن پر تین تین برجیاں بنی ہوئی ہیں۔ شمالی اور مشرقی دروازے اب عام طور پر بند رہتے ہیں شمال و جنوب میں ۴۹ - ۴۹ سیڑھیاں ہیں۔ مسجد کی پیشانی پر خط نستعلیق میں سنگ مرمر کی پچکاری سے کتبے کندہ ہیں جن کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۶۳ھ سنہ ۱۶۵۲ء میں یہ مسجد پورے سات برس کے عرصہ میں شاہجہاں کے حکم سے تیار ہوئی۔ یہ شاہجہاں کے دور کی آخری عمارت ہے۔ اس پر تقریباً تین لاکھ روپیہ صرف ہوئے۔

مندر و حویلی نساجاٹ

جاٹوں کی چند روزہ حکومت کی یادگار یہ ایک مندر اور نساجاٹ کی حویلی ہے۔ اس مندر کو راجہ رتن کا مندر بھی کہتے ہیں۔ اس کی تعمیر جاٹوں کے تسلط کے زمانہ میں سنہ ۱۷۶۸ء میں ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ پرتھی اندرا کے فوجدار راجہ نین سنگھ کی رہائش گاہ تھی۔

مینا بازار

موتی مسجد کے گوشۂ جنوب و مغرب میں دیوانِ عام کے شمالی اور مشرقی حصّہ کی طرف زنانہ مینا بازار کی عمارت پائی جاتی ہے۔ یہاں عورتیں دوکانیں لگایا کرتی تھیں اور امراء و شرفاء کی بیبیاں نیز خواتین حرم خرید و فروخت کیا کرتی تھیں۔ اس میں شریف گھرانے کی خواتین کو آنے کی عام اجازت تھی۔ فروختگی کا سامان بھی زنانہ ضروریات کے مطابق ہوا کرتا تھا۔ مہینہ میں ایک دن یہ بازار خصوصی طور سے لگا کرتا تھا۔ اس دن اس کو خوب سجایا جاتا تھا۔ اس خصوصی دن کا نام "خوش روز" ہوا کرتا تھا۔ اس خصوصی مینا بازار کے دن خواتین کے درمیان گفتگو سے نسبتیں اور رشتے بھی طے ہو جایا کرتے اس باغ کو اکبر نے تعمیر کرایا تھا۔ تاریخ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فروختگی کے لئے شرفار کی لڑکیاں اگر کچھ سامان لاتی تھیں تو اچھی چیزوں پر قیمت کے علاوہ شہنشاہ اور بیگمات انعام بھی عطا فرمایا کرتی تھیں۔

سلیم گڈھ

ایک جگہ قلعہ میں "سلیم گڈھ" کے نام سے بھی ہے۔ دیوانِ عام

کے سامنے مغرب کی طرف جو بارہ دری ہے اسی کا نام سلیم گڈھ ہے شیر شاہ سوری کے فرزند سلیم شاہ کی یادگار بتائی جاتی ہے اسکے چہار طرف تین تین دروازے ہیں یہ بارہ دری ایک سنگین چبوترہ پر تعمیر کی گئی ہے۔ پتھروں پر اوسط درجہ کی پچی کاری ہوئی ہے بعض جگہ نقاشی کے خوبصورت نمونے بھی پائے جاتے ہیں۔

تاج محل

آگرہ کی جملہ عمارات کی سب سے اچھی دنیا کی نادرالوجود عمارت مشرقی فن تعمیر کا اعلیٰ ترین نمونہ یہ تاج محل ہے۔ جس کا دوسرا نام روضۂ ممتاز محل بھی ہے۔ یورپ اور ایشیاء کے مورخین نے "تاج محل" کو ایک بے مثل عمارت لکھا ہے۔ ہمارے ادیبوں اور شاعروں نے بھی مختلف نظریوں اور پہلوؤں سے اس کی تعریف و توصیف میں مضامین نظم ونثر تصنیف کئے ہیں۔ یہ ایک مغل حکمراں کی محبت کا جیتا جاگتا شاہکار ہے۔ اور ارجمند بانو جو کہ شہنشاہ شاہجہاں کی ملکہ تھیں "ممتاز محل" ان کا خطاب تھا۔ ارجمند بانو نورجہاں کے بھائی کی لڑکی تھیں۔ ممتاز محل بے انتہا حسین ہونے کے ساتھ ساتھ ذکی و متین بھی تھیں۔

شاہجہاں ان کو اپنا بہترین مشیر سمجھتے تھے۔ ۱۲۱۶ء میں آپ ۱۹ سال کی عمر میں بیاہ کر شاہجہاں کی حرم محترم کی حیثیت سے آئیں۔ ملکۂ ممتاز محل نے اس دار فانی میں اپنی ازدواجی حیات کے اٹھارہ سال نہایت عیش۔ صبر و سکون اور اولوالعزمی کے ساتھ گذارے لیکن جو وقت

برہانپور میں آپ کے چودھویں بچے گوہر آرا کی ولادت ہوئی، اسوقت وہیں آپ کی وفات سنہ ۱۶۳۰ء سنہ ۱۰۴۰ھ میں ہوئی۔ مرزا بے بدل خاں نے قطعۂ تاریخ یہ لکھا ۔

زیں جہاں رفت چو ممتاز محل ‏ ‏ ‏ ‏ در جنت بہ رخش حور کشاد
بہر تاریخ ملائک گفتند ‏ ‏ ‏ ‏ جائے ممتاز محل جنت باد

ممتاز محل کی لاش کو برہانپور میں چھ ماہ تک رکھا گیا اس کے بعد آگرہ لایا گیا اور تاج محل کی تعمیر کا کام ختم ہونے تک راجہ جے سنگھ کے باغ میں رکھا گیا۔ تاج محل کی تعمیر ۱۶۳۱ء میں شاہجہاں نے اس محبت کے پیشِ نظر شروع کرائی کہ اپنی چہیتی بیوی جس کی وفات نے شہنشاہ کو دل گرفتہ کر دیا تھا کی ایسی یادگار اور ایسا حسین ترین مقبرہ تعمیر کرائے کہ جس کی مثال قائم ہو جائے جو کہ اپنی صناعی اور کارگیری کا ایک نادر ترین نمونہ ہو۔ ہندوستان بلکہ دنیا کے گوشہ گوشہ سے بہترین اور قیمتی پتھر منگائے گئے۔ بائیس برس تک ہر روز بیس ہزار مزدور اس میں کام کرتے رہے۔ اس کا ذکر مشہور مورخ ٹیورنیر نے بھی کیا ہے۔ اس کی تعمیر میں چھ کروڑ روپیہ صرف ہوا۔ یہ تخمینہ صرف عمارت کی تعمیر کا ہے۔ مزدوروں کی مزدوری اس کے علاوہ تھی جس کا صحیح اندازہ مورخین نہ کر سکے۔ اس عمارت

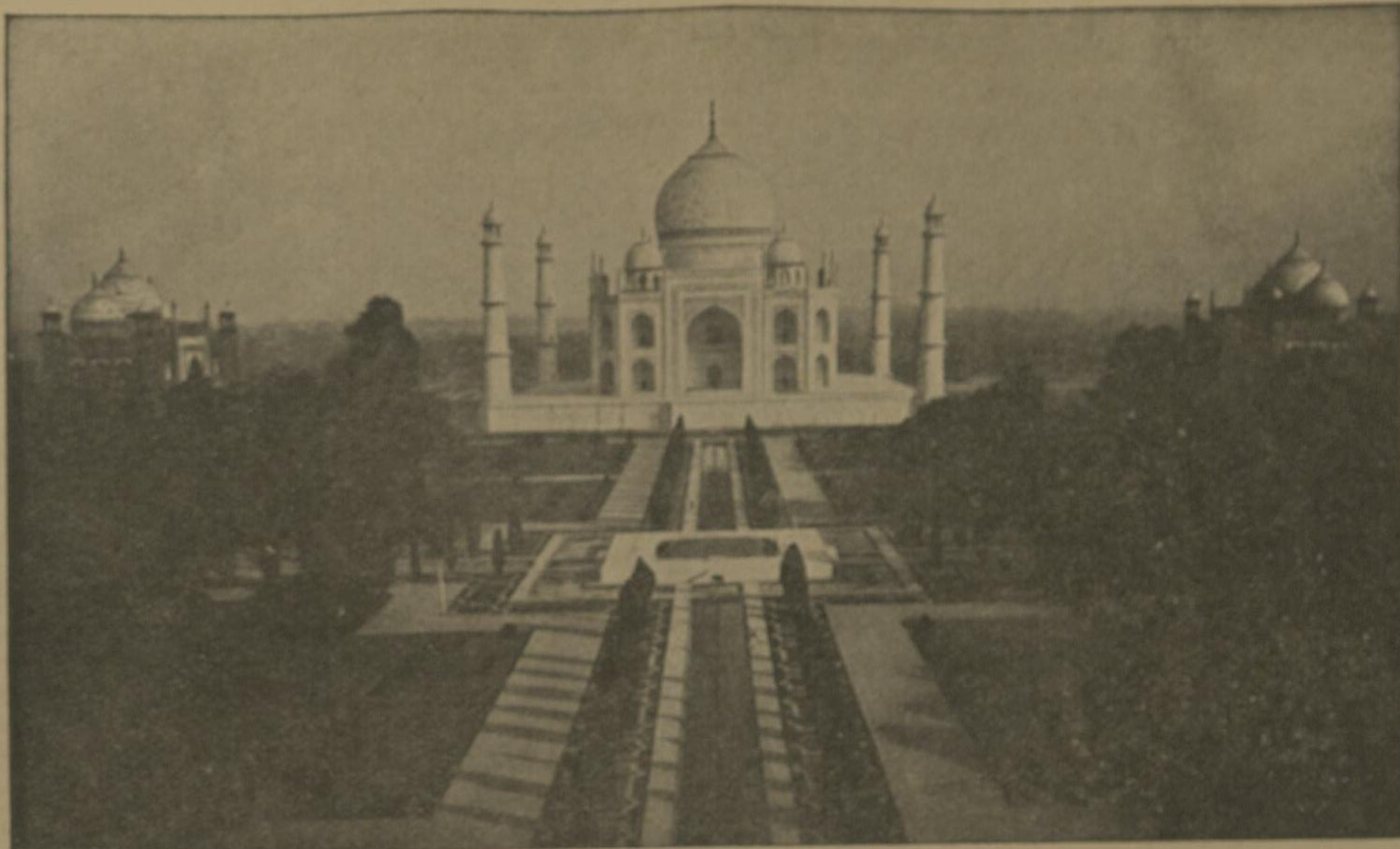
کی تعریف و توصیف اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ مشہور مؤرخ ڈبلیو ریمسے صاحب نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ "تاج ایک موتی ہے جس میں نہایت خوبصورتی سے مرصع کاری کی گئی ہے۔ مقبرہ اور اس کے اندرونی اور بیرونی اجزاء پر ایسی قابل توصیف صنعت سے کام لیا گیا ہے کہ کل عمارت بحیثیت مجموعی سراپا حسن نظر آتی ہے اور طبقۂ روئے زمین میں یکتا و لاثانی ہے۔" عام طور سے یہ بھی مشہور ہے کہ ممتاز محل نے مرتے وقت بادشاہ کو یہ وصیت کی تھی کہ میری قبر پر ایسی عالی شان عمارت تعمیر کی جائے جو تمام دنیا میں بے نظیر ہو۔ لیکن شاہی تاریخ "بادشاہ نامہ" اور دوسری مستند تاریخوں میں یہ چیز کہیں نہیں ملتی۔

اس عمارت کے مہتمم میر عبد الکریم اور مکرمت خاں نامی امیر تھے جن کے اہتمام میں شاہجہاں آباد اور شاہجہاں کے عہد کی تمام عمارتیں تیار ہوئیں۔ محمد عیسیٰ آفندی نقشہ نویس روم سے اور محمد شریف نقشہ نویس سمرقند سے ایک ایک ہزار روپیہ ماہوار پر طلب کئے گئے تھے۔ اس کی تعمیر ۱۰۵۷ھ سے ۱۶۴۷ء میں ختم ہوئی۔ اس کی ساخت کا تخمینہ چھ کروڑ ہی بتایا جاتا ہے مگر نہ معلوم "بادشاہ نامہ" کے مصنف نے پچاس لاکھ روپیہ کیسے تحریر کیا ہے۔ تعمیرات کے کام میں آگرہ کے محمد حنیف صاحب

انجنیر تھے اور پچیکاری کے لئے لاہور سے منوہر سنگھ ملتان سے بنسی دھر اور قنوج سے موہن لال کو طلب کیا گیا تھا اور جس قدر کتبہ کندہ ہیں وہ شیراز کے امانت خاں کے تیار کردہ ہیں۔ سنگ مرمر جیپور سے۔ سنگ سُرخ فتحپور سیکری سے اور فیروزہ تبت سے منگوایا گیا تھا۔

میکڈانلڈ پارک سے جانے والے سیّاح تاج محل کے جلوخانہ میں مغربی دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔ میکڈانلڈ پارک سے گذر کر پہلے فتحپوری مسجد اور سہیلیوں کا مقبرہ آمنے سامنے دکھائی دیتا ہے۔ درمیان میں پختہ سڑک ہے جو روضہ کے چوک میں سے ہوتی ہوئی فتح آباد گئی ہے۔ روضہ کے باہر کے میدان میں سڑک کے ہر جانب سبز گھاس کے حاشیہ سنگ سُرخ کے دالان بنائے گئے ہیں۔ مشرق کی جانب ایک پھاٹک بھی ہے اسی پھاٹک میں سے ہوکر فتح آباد جاتے ہیں۔ جنوب کی جانب کچھ بلندی پر ایک پھاٹک اور بھی ہے یہ ممتاز آباد یا محلہ تاج گنج کا پھاٹک ہے۔ اس پھاٹک کے بالمقابل جانب شمال صحن کے آخری سرے پر ایک چبوترہ ہے جس پر ایک بہت عالیشان پھاٹک بنا ہوا ہے۔ یہ دروازہ ۱۰۰ فٹ بلند ہے بیرونی پیشانی اور اطراف میں آیات قرآنی کچھ اس سلیقہ سے پچیکاری کے کام سے کندہ کی گئی ہیں کہ جتنے بڑے حرف نیچے سے نظر آتے ہیں اتنے

ہی بلندی پر اس پھاٹک کے بالمقابل سڑک کے دوسرے رُخ مغربی گوشہ میں ستیُ النسا خانم اور جنوب و مغرب کے گوشہ میں سرہندی بیگم کا مقبرہ بنا ہوا ہے۔ جلو خانہ کے چبوترہ کے نیچے روضہ کے عالیشان پھاٹک کے سامنے ہی چھ سنگین منقش گول ستون لالٹینوں کے واسطے لگے ہوئے ہیں جو طرز سے کسی پُرانی بودھ عمارت کے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کے پایوں میں مورتیاں بنی ہوئی ہیں بعض پر کسی قدیم ہندی زبان میں کتبے بھی کندہ ہیں۔ اس روضہ کے عالی شان پھاٹک کے اندرونی حصہ کا قطر ½۴۱ فیٹ ہے۔ اس کے چار چھوٹے ضلعوں میں اوپر چڑھنے والے زینے اور دو بڑے ضلعوں میں کٹہرے دار شہ نشین مع کمروں کے بنی ہیں۔ چھت لداؤ کی گنبد نما ہے جسکی سُرخ زمین پر سفید تحریروں کا خوشنما جال ہے۔ چھت پر ایک خوشنما قندیل لٹکی ہوئی ہے۔ یہ قندیل ۳۵۰ پونڈ میں لارڈ کرزن وائسرائے ہند نے اپنے عہدے سے علیحدہ ہو جانے کے بعد بطور نذرانہ مصر سے تیار کروا کر تاج محل کے لئے بھیجی تھی۔ صدر دروازہ پر دوہرا پھاٹک لگا ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں پھاٹک چاندی کے بنے ہوئے تھے اور ہر پھاٹک پر گیارہ سو کیلیں جڑی ہوئی تھیں جن کے سر چاندی کے سکوں کو ملا کر بنائے گئے تھے۔ بھرتپور



THE TAJ AGRA.

کے جاٹ آگرہ کی لوٹ کے وقت یہ سب کچھ لوٹ کر لے گئے۔ اب اس دروازہ کے اندرونی حصے کے کمرہ میں ایک عجائب خانہ بھی ہے جس میں مغل زمانے کی بہت سی چیزیں نمائش کے لئے رکھی ہوئی ہیں قلعہ اور روضہ کے کئی دستی نقشے بھی آویزاں ہیں۔ اس کے علاوہ روضہ کی بہت سی تصاویر مختلف اوقات کی لگی ہوئی ہیں۔

اُنتیس اُنتیس در کے دوہرے دالان صدر دروازہ کے مشرقی حصہ میں ہیں جہاں دالان ختم ہوتے ہیں وہاں فصیل کے سروں پر سہ منزل برج بنے ہوئے ہیں دروازہ کے آگے چبوترہ ہے جس سے نیچے اُتر کر باغ میں پہنچ جاتے ہیں چھوٹے چھوٹے سولہ باغ ہیں۔ ان باغوں کے عین وسط میں ایک سنگ مرمر کا حوض ہے۔ حوض کے چبوترہ کا ہر ضلع ½۴ ۲ فٹ اور حوض کا ہر ضلع ½۳۴ فٹ ہے۔ اس خوشنما حوض کے چاروں طرف ½۱۶۰ فٹ چوڑی نہریں ہیں پہلے ان نہروں میں فوارے لگے ہوئے تھے۔ اب سب تو باقی نہیں رہے البتہ روضہ کے درمیان میں جو نہر ہے اس میں اب بھی فوارے لگے ہوئے ہیں جو کہ ہر اتوار کو چلائے جاتے ہیں۔

حوض کے بالمقابل آمنے سامنے فصیل سے ملی ہوئی دو سہ منزلہ خوشنما عمارتیں ہیں جن پر سنگِ سُرخ کے بُرج بنے ہوئے ہیں مغربی

فصیل اور مسجد کی باؤلی کے قریب ۱۹ × ۶ ½ فٹ احاطہ کا پتھر بنا ہوا ہے چونکہ ممتاز محل کی نعش برہانپور سے آکر اوّل اسی جگہ سپرد زمین کی گئی تھی لہٰذا اس قطعہ کو بطور یادگار محصور کر دیا گیا ہے۔ اسی کے سامنے مشرقی فصیل کی طرف اس باغ کا سب سے قدیمی درخت سمبل واقع ہے جس کی عمر روضہ کی عمر سے دو چند بتائی جاتی ہے۔ قدامت کی وجہ سے اس درخت کو یہ عظمت حاصل ہے کہ ایک مرتبہ اس کے گدّے کے گرنے کی خبر اخبار "پانیر" میں شائع ہوئی تھی۔

حوض اور صحنِ باغ سے گذرنے کے بعد مقبرۂ تاج محل کا چبوترہ آتا ہے جو وسعت میں دونوں جانب مشرق و مغرب کی فصیلوں سے جاملا ہے اور پشت پر جمنا کے کنارے تک پھیلا ہوا ہے۔ اس چبوترے کے درمیان میں ۲۰ فیٹ بلند سنگ مرمر کا چبوترہ ہے جس کے وسط میں روضہ کی عمارت واقع ہے اس کا ہر ضلع ۳۲۸ فیٹ ۱۳ انچ ہے۔ جنوبی جانب اوپر چڑھنے کے واسطے دو زینے آمنے سامنے بنے ہیں۔ چبوترے کے چاروں طرف سنگ مرمر کی خوشنما محرابیں اور مشرقی، شمالی و مغربی ضلع کے وسط میں تین تین کمرے بنے ہوئے ہیں اور آس پاس چبوتروں پر سنگ سرخ اور سنگ مرمر کے ٹکڑوں سے ایک جال بنا ہوا ہے۔ شمالی جانب یعنی دریا کی طرف تہ خانہ بنا ہوا

ہے۔ جس میں اُترنے کے واسطے دو زینے ہیں۔ تہ خانہ میں ۱۴ کمروں
کی قطار ہے اور استر کاری پر رنگین کام کیا ہوا ہے۔ اب اس تہ خانہ
کو لوہے کے دروازے لگا کر مقفل کر دیا گیا ہے۔ سنگ مرمر کے چبوترے
کے چاروں کونوں پر سنگ مرمر کے مینار ہیں۔ ہر ایک مینار کی تین منزلیں
ہیں۔ سنگ مرمر کے چبوترے کے وسط میں ۲½ فیٹ بلند چبوترے
پر روضۂ ممتاز محل ہے جو کہ ہشت پہل ہے۔ عمارت کی محرابوں پر
کلام مجید کی سورتیں بخط علی سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے کندہ ہیں۔
روضہ کے گرد برآمدے ہمیت آٹھ کمرے ہیں یہ سب کمرے خالص
سنگ مرمر کے ہیں۔ کمروں کے فرش پر سنگ مرمر کے ٹکڑے انتہائی
خوشنمائی سے لگائے گئے ہیں۔ کمروں میں بے نظیر مشجر گلدستے
اور پھول پتے بنائے گئے ہیں۔ ان کمروں کے درمیان میں ممتاز محل
اور شہنشاہ شاہجہاں کی قبروں کے تعویذ ہیں۔ اس کے دروں میں
آئینہ کی خوشنما جالیاں لگی ہیں۔ ارد گرد دو حلقوں میں نہایت خوشخط
کتبے کندہ ہیں۔ اس کمرے کے درمیان میں سنگ مرمر کی خوش قطع
اور بے نظیر جالیوں کا محجر ہے۔ اس محجر میں سنگ یشب کا دروازہ لگا
ہوا تھا جو جاٹوں کے زمانے میں اُتار لیا گیا۔ ممتاز محل کی قبر کے خوشنما
تعویذ پر سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے آیات قرآنی کندہ ہیں۔ پائین تعویذ

پر "مرقد منورہ ارجمند بانو بیگم مخاطب بہ ممتاز محل توفیت فی سنہ ۱۰۴۰ھ ۱۶۳۰ء"
کندہ ہے۔ ممتاز محل کے تعویذ سے ملا ہوا مغربی جانب شاہجہاں کی قبر کا تعویذ ہے۔ ممتاز محل اور شاہجہاں کی اصلی قبریں تہ خانہ میں ہیں جسکا زینہ روضہ کے دروازہ کے سامنے ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس تہ خانہ کے دروازہ پر بھی چاندی کا دروازہ تھا جو کہ جاٹوں نے لوٹ لیا۔ اوپر کی طرح یہ مزار بھی عین وسط میں ہے۔ تعویذوں کے اوپر درمیان میں عظیم الشان گنبد ہے جس پر ایک خوبصورت کلس بھی ہے۔ کلس پر تانبے کا پتّرا چڑھا ہوا ہے۔ پہلے اس پر سونے کا پتّرا چڑھا ہوا تھا جو کہ اتار لیا گیا۔ کلس کے ہلال پر کلمۂ طیبہ تحریر ہے۔

فصیل سے ملی ہوئی مغرب کی طرف سرخ پتھر کے چبوترہ پر مسجد بنی ہوئی ہے یہ ۱۸۶ فیٹ لمبی اور ۸۹ فیٹ چوڑی ہے۔ اس میں تین محراب دار در ہیں جن کی اونچائی ۸، فیٹ ۵ انچ ہے۔ مسجد کا فرش نہایت خوشنما چلنے پتھر کا ہے۔ اس پر سنگ موسیٰ کی محرابیں ڈالکر ۵۳۹ مصلے بنائے گئے ہیں۔ اندرونی درمیانی محراب کے درمیان میں سنگ مرمر کا ایک حسین پتھر لگایا گیا ہے جس میں روضہ کا عکس نظر آتا ہے۔ چھت کے چاروں طرف کونوں پر مثمن برج ہیں اور درمیان میں سنگ مرمر کے تین خوشنما گنبد۔ مسجد کے صحن کے چبوترے کے نیچے سنگ سرخ کا

فرش ہے جس کے درمیان میں ایک چھوٹا حوض ہے جو کہ ہر طرف سے ۱۶ فیٹ ہے۔ مسجد کے جنوب کی جانب ایک باؤلی بھی ہے۔ روضہ کی تعمیر میں تناسب کا بہت خیال رکھا گیا ہے لہٰذا اسی لحاظ سے مسجد کے مقابلہ میں مشرقی فصیل کی دیوار سے ملحق مسجد سے مشابہ ایک عمارت بنادی گئی ہے جواب تسبیح خانہ کہلاتی ہے اور عہد مغلیہ میں جماعت خانہ کے نام سے موسوم تھی۔ یہ طول و ارض میں مسجد کے برابر ہی ہے۔ تسبیح خانہ کے چبوترہ پر شمال کی طرف روضہ کے گنبد کے کلس کا نقشہ بجنسہ کندہ ہے۔ مسجد اور تسبیح خانہ کی لمبائی کے ارد گرد دو گنبد بھی ہیں۔ مسجد کے مغربی حصہ کی طرف جو برج ہے اسے بسئی برج کہتے ہیں۔ دو برج چونکہ جمنا کی طرف ہیں اس لئے ان کے نیچے جمنا کے کنارے پر جانے کے لئے زینے بنے ہوئے ہیں۔

باغ خانِ عالم

یہ باغ مرزا برخوردار کا ہے جو کہ اکبر کے عہد میں منصب دوصدی پر سرافراز تھے جہانگیر کے زمانہ میں ان کو "خان عالم" کا خطاب ملا تھا یہ باغ دریا کے کنارے ہے۔ میکڈ الڈ پارک ختم ہونے کے بعد تاج کے بیرونی پھاٹک کے برابر سے اس باغ کا راستہ ہے۔ وسط باغ میں ایک بلند چبوترہ پر ایک چراغدان بنا ہوا ہے جہاں پر خان عالم کی قبر خیال کی جاتی ہے لیکن اس کا کوئی خاص نشان نہیں پایا جاتا یہ باغ علیگڈھ کے ایک رئیس کے قبضہ میں تھا جنھوں نے ۱۸۹۸ء نظیر جان طوائف آگرہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس طوائف نے باغ کو کھدوانا شروع کر دیا تھا لیکن جب مسٹر اے روز صاحب سابق کمشنر آگرہ کو پتہ چلا تو انھوں نے حکومت کی طرف سے اس باغ کو اس طوائف سے واپس لے لیا اور اب یہ تاج گارڈن سے متعلق ہے۔

مزار میاں نظیرؔ اکبر آبادی

یہ مزار ملکوں کی گلی تاج گنج آگرہ میں ایک درخت کے سایہ میں واقع ہے۔ نظیرؔ اکبر آبادی سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ آپ نے ہر موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ باکمال اور صاحب طرز شاعر تھے۔ ان کی مستند سوانح مولوی عبدالغفور صاحب شہبازؔ نے لکھی ہے۔ کئی کلیات شائع ہو چکے ہیں جن میں مرزا فرحت اللہ بیگ کا ترتیب دیا ہوا کلیات زیادہ وزن رکھتا ہے۔ ہر ہندو مسلم تہوار کے موقع پر میاں صاحب کے مزار پر شعر خوانی ہوتی ہے مگر یہ شعر خوانی نظیرؔ اور نظیرؔ کے کلام کے لئے وجہ ننگ ہے اس لئے کہ ان جلسوں میں چند سر پھرے آ کر ڈٹ جاتے ہیں اور نظیر کا وہ کلام پڑھتے ہیں جو کہ انھوں نے اوباشوں اور بازاری لوگوں کی فرمائش پر لکھا تھا جس کا تعلق نظیر کے سنجیدہ اور ستھرے کلام سے نہیں ہے۔ البتہ ادھر دو تین سال سے بسنت کے دن "یوم نظیر" کے طور پر جو جلسہ ہو رہا ہے وہ صاف اور ستھری محفل کہلانے کا مستحق ہے۔ اس میں ہندو مسلم عمائدین شہر اور حکام شریک ہوتے ہیں۔ اکبر آباد

کے ممتاز شعرا مثلاً رعنا میکش۔ صبا اور ابو ظفر صہبا وغیرہ شرکت کرتے ہیں۔ نظیر کے متعلق نظمیں اور مضامین پڑھے جاتے ہیں۔ پچھلے سال راقم نے بھی مندرجہ ذیل دو رباعیاں پڑھی تھیں جو بہت مقبول ہوئیں، ؎

تھیں شاعر ملت کی نگاہیں روشن
تنویر نفس میں تھی اور آہیں روشن
ہموار کیا ہے اس نے ہر جادۂ قال
تاریک فضا میں ہوئیں راہیں روشن

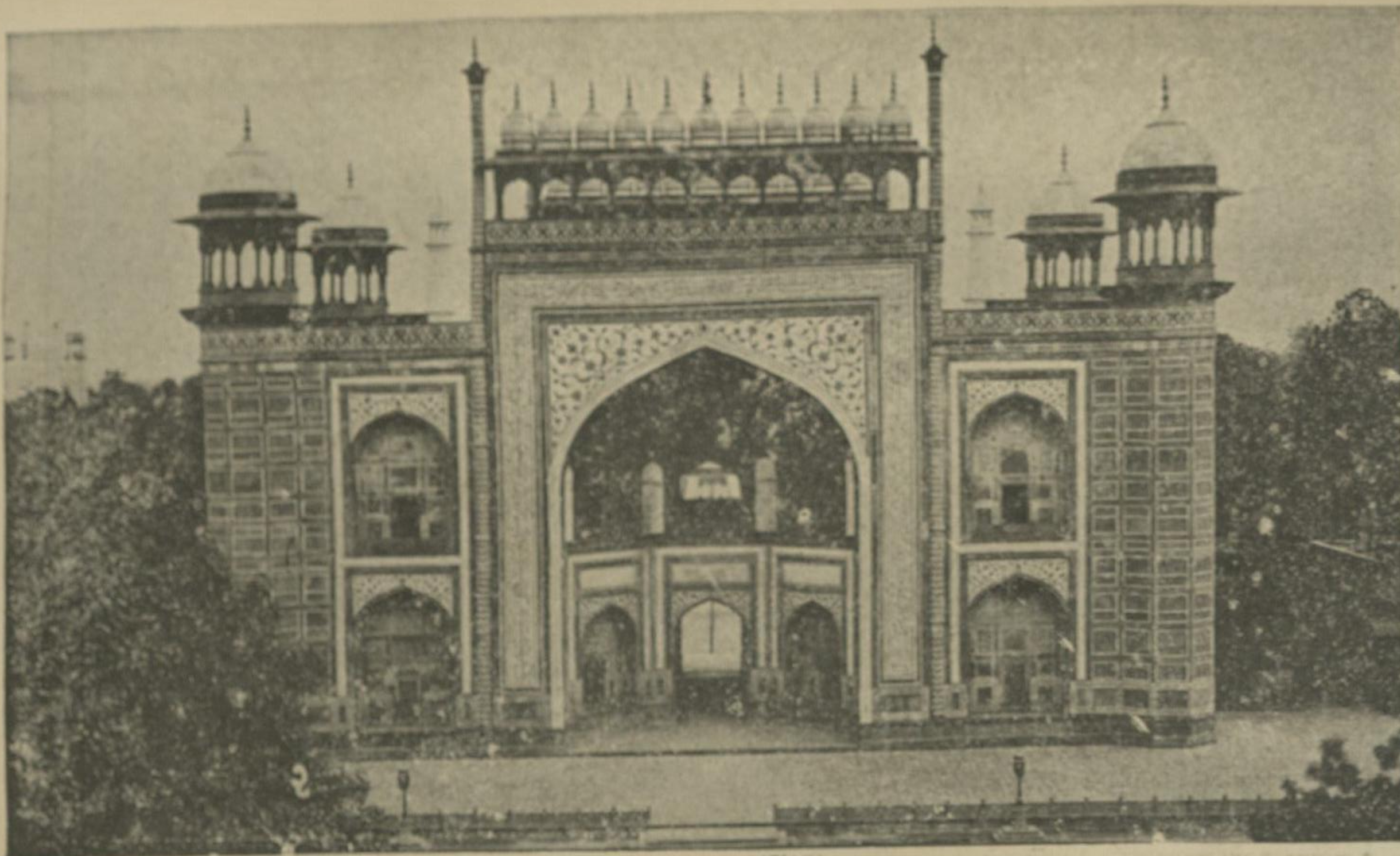
دیگر

ہر بات میں اک پیام ملتا ہے ہمیں
ہر شعر پہ ایک جام ملتا ہے ہمیں
واللہ نظیر ہے خود اپنی ہی نظیر
ہر بزم میں اسکا نام ملتا ہے ہمیں

یہ سب کچھ بھی بزم نظیر اور جناب حمید تاج محلی سکریٹری بزم نظیر کی غیر معمولی مساعی کا نتیجہ ہے ورنہ مزار دیکھ کر تو افسوس ہوتا ہے۔ اتنا بڑا شاعر اس جا دفن ہے اور اس کے مزار کی چار دیواری تک نہیں۔ کئی سال سے ہمارے مفتی انتظام اللہ صاحب بہت کچھ کہہ رہے ہیں۔ اکثر ارادے بھی ظاہر کر چکے ہیں مگر ابتک وہ ارادے عملی صورت اختیار نہ کر سکے اور بظاہر یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر نہیں آتا۔ اس طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے تاکہ اس قدیم و باکمال شاعر کا نام و نشان تادیر قائم رہ سکے۔ عرصہ ہوا ہمارے آگرہ کے ایک "علامہ" نے کچھ چندہ بھی مزار کے لئے کیا تھا مگر اس چندہ کا مصرف ابتک سامنے نہ آسکا۔ مزار نظیر کا تعلق عمارات مغلیہ سے تو نہیں ہے صرف سیاحوں کی معلومات کے لئے تذکرہ کیا گیا۔



GENERAL VIEW OF FORT AGRA.



GATE OF ITMAD-UD-DAULA.

روضۂ اعتماد الدولہ

یہ روضہ مرزا شریف ہجری وزیر شاہ طہماسپ صفوی والیٔ ایران کے فرزند اعتماد الدولہ کا ہے۔ ان کا اصلی نام مرزا غیاث الدین محمد معروف بہ غیاث بیگ تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد جب ان کے حالات اچھے نہیں رہے تو تلاش روزگار کے لئے بیوی بچوں سمیت ہندوستان کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ان کا سامان بھی لٹا۔ غرض یہ پریشانی کے عالم میں قندھار پہنچے وہاں حاملہ بیوی کا وضع حمل ہوا اور نور جہاں بیگم پیدا ہوئی جس کا نام بعد میں مہر النساء رکھا گیا۔ ملک مسعود سوداگر جو ایران سے اکبر کے دربار میں تجارتی سامان لے کر آ رہا تھا اس کو جب ان کے حالات معلوم ہوئے تو اس نے ان پر رحم کر کے فتحپور سیکری تک پہنچا دیا بلکہ شہنشاہ اکبر سے سلسلۂ معاش کے لئے بھی سفارش کرا دی۔

جہانگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد ہی غیاث بیگ کو اعتماد الدولہ کا خطاب دیا۔ ۱۶۱۱ء میں مرزا غیاث بیگ کی دختر مہر النساء سے شہنشاہ جہانگیر نے شادی کی اور اس کو پہلے نور محل بعد میں نور جہاں بیگم کا خطاب دیا اور اعتماد الدولہ کو علم و نقارہ و منصب ششش ہزاری عطا کیا۔ غرض

اعتماد الدولہ کے خاندان کا یہ عروج سلطنت مغلیہ کے آخر تک قائم رہا۔

اعتماد الدولہ کی عقلمند نیک سیرت و خوبصورت سلیقہ شعار بیوی نے ۱۰۳۰ھ/۱۶۲۰ء میں انتقال کیا۔ یہی خاتون عطر جہانگیری کی موجد تھیں۔ اعتماد الدولہ بیوی کی وفات کے صدمہ کو برداشت نہ کر سکے اور بیوی کی وفات کے تین ماہ بیس دن بعد ان کا انتقال بھی ہو گیا۔ انکا انتقال ۱۷ ربیع الاوّل ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۱ء کو ہوا۔ اعتماد الدولہ بڑی خوبیوں کے انسان تھے۔ انشا اور خط شکست کے ماہر تھے۔

نور جہاں بیگم کی خواہش تھی کہ ان کے باپ کا مقبرہ خالص چاندی کا بنے مگر اراکین دولت نے اس لئے اس سے اختلاف ظاہر کیا کہ چاندی کا مقبرہ خوبصورت نہیں بن سکتا لہذا نور جہاں بیگم نے اپنے اس خیال کو بدل دیا اور چاندی کے مقبرہ سے زیادہ صرفِ کثیر کے بعد اس روضہ کی تعمیر کرائی۔ اس کا تکملہ ۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ء میں ہوا۔ یہ عمارت جمنا پار مشرق کی طرف واقع ہے۔ حسن و خوشنمائی تعریف و توصیف سے بالاتر ہے تاج محل کی پچی کاری اور نقش و نگار سے زیادہ خوبصورت اس عمارت کے نقش و نگار ہیں۔ فرش کی خوشنما گلکاری سب پر بالا ہے صدر دروازہ میں داخلہ سے پہلے ایک پختہ سڑک ہے اور اس کے ارد گرد خوشنما باغ ہیں۔ صدر دروازہ میں داخل ہونے کے بعد بھی



THE TOMB OF ITMAD-UD-DAULA

اندر سرسبز و شاداب فضاؤں میں مقبرہ کی خوبصورتی دیکھنے والوں کو حیرت تماشا بنا دیتی ہے۔ عمارت باغ کے درمیان میں ہے۔ ہر چہار طرف ایک پختہ دیوار ہے جس کے چاروں کونوں پر ۸-۸ سنگین برج ہیں۔ شمال۔ جنوب اور مشرق کی سمت تین پختہ اور خوبصورت دروازے ہیں۔ ہر ہر دروازہ پر دو دو گلدستے اور دو دو برجیاں ہیں۔ اب صرف مشرقی دروازہ کھلا رہتا ہے۔ شمالی اور جنوبی سمتوں کے دروازے بند رہتے ہیں۔ مغرب کی جانب مشرقی دروازہ کے مقابل دریا کے کنارے پر ایک خوبصورت نشستگاہ بھی بنی ہوئی ہے۔

روضہ کے چاروں طرف ایک ایک حوض بنا ہوا ہے۔ مقبرہ کی عمارت ایک چبوترہ کے درمیان میں بنائی گئی ہے۔ یہ چبوترہ روضہ کے چاروں طرف ہے اور سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے۔

روضہ کے سنگ مرمر کے مربع چبوترہ کی لمبائی چوڑائی ۶۸ فیٹ اور بلندی ۲ فیٹ ۸ انچ ہے۔ ہر چہار طرف تین تین در ہیں جن میں درمیانی دروازہ کھلا ہوا ہے اور باقی در خوبصورت باریک جالی بنا کر بند کر دیئے گئے ہیں۔ چبوترہ سے عمارت کی بلندی تک سنگ مرمر استعمال کیا گیا ہے جس میں مختلف رنگ کے قیمتی پتھروں کی پچی کاری ہو رہی ہے خصوصاً محرابوں کے اندر بہت باریک کام

ہے۔ محرابوں کے بیرونی حصہ میں کلام مجید کی سورتیں نہایت اچھے اور ابھرے ہوئے حروف میں کندہ ہیں۔ اندر چاروں طرف چار کمرے بنائے گئے ہیں جن کی لمبائی ۲۳½ فٹ اور چوڑائی ۱۳ فٹ ہے اور کونوں میں ایک حجرہ بھی ہے جس کا ہر ضلع ۱۳ فٹ کا ہے۔ درمیان میں ایک کمرہ چوکھوٹا بنا ہوا ہے جو کہ ہر طرف سے ۲۲ فٹ ۱۳ انچ ہے۔ سنگ مرمر کے علاوہ پچی کاری وغیرہ میں سنگ موسیٰ۔ سنگ کھٹو۔ سنگ لہسنیہ اور بھی مختلف اقسام کے پتھر استعمال کئے گئے ہیں۔ تمام چھت پر طلائی۔ لاجوردی نیز دوسرے مختلف رنگوں سے بے انتہا خوشنما کاریگری دکھائی گئی ہے۔ فرش بھی جاذب نظر ہے اور ہر کمرے و حجرے کے فرش پر مختلف قسم کے ٹکڑوں سے پھول بنائے گئے ہیں۔

درمیان کے کمرے میں اعتماد الدولہ اور ان کی رفیق حیات کی قبریں زرد رنگ کے سنگ کھٹو کے خوبصورت اور چمکدار تعویذ سے آراستہ نظر آتی ہیں۔ اس کمرے کے تین طرف خوبصورت جالیاں ہیں اور ایک طرف دروازہ مختلف کمروں کے حجروں میں ان کے خاندان کے دوسرے افراد کی قبریں ہیں۔ شمال و مشرق کے کونے والے حجرہ میں دو قبریں ہیں۔ ایک مرد کی

دوسری کسی خاتون کی۔ زنانی قبر پر آیۃ الکرسی ہے۔ دوسرے کونوں میں جو قبریں ہیں ان پر کتبے کندہ نہیں ہیں۔

جنوب کی طرف جو کمرہ ہے اس میں آمنے سامنے دو زینے سترہ سترہ سیڑھی کے بنے ہوئے ہیں۔ یہ اوپر جانے کا راستہ ہے۔ اوپر سنگ مرمر کا فرش ہے جس کے ارد گرد سنگ مرمر کے ٹکڑے ہیں۔ کونوں پر چالیس چالیس فیٹ کے مینار ہیں اور بیچ میں ایک چھتری بھی بنائی گئی ہے۔ چھتری کا چبوترہ چوکھوٹا ہے اور اس کے چاروں طرف خوبصورت پچی کاری ہے۔ وسط میں سنگ مرمر کے دو تعویذ مولسری کے ہار پہنا کر بنائے گئے ہیں زنانی قبر پر علامت کے طور پر تختی بنائی گئی ہے اور مردانی قبر پر قلمدان۔ ہر طرف تین تین باریک جالیاں سنگ مرمر کی ہیں اور آمنے سامنے دو دروازے کھول دیئے گئے ہیں چھت کے نیچے فرش پر پچیکاری کی مدد سے خوبصورت گل بوٹے بنائے گئے ہیں۔ در و دیوار پر بھی خوبصورت کام ہے۔ ایک کلام مجید کی سورۃ اور کتبہ عبدالنبی قریشی بھی کندہ ہے۔

چینی کا روضہ

یہ روضہ بالکل شکستہ ہو چکا ہے مگر کچھ عمارت اب بھی باقی ہے جو کہ ماضی کے نقوش کی یادگار ہے۔ یہ عمارت اعتماد الدولہ سے نصف میل فاصلہ پہ ہے۔ اب بھی اہل نظر آگرہ کی عمارات میں اسکو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں۔ برسات کے زمانے میں ٹولیاں کی ٹولیاں اسی مقام پہ تفریح کے لئے جاتی ہیں۔ یہ روضہ ملا شکر اللہ شیرازی کا ہے۔ یہ عہد جہانگیری میں برہانپور۔ بندر۔ سورت کی راہوں سے گذرتے ہوئے آئے تھے۔ یہاں آن کر یہ پہلے عبدالرحیم خانخاناں کے مصاحب رہے۔ اس کے بعد شہزادۂ خورم کے لشکر میں "میر عدل" مقرر ہوئے۔ جہانگیر کے دربار میں شہزادہ کی سفارش کرنے پر ان کو افضل خاں خطاب ملا۔ اس کے بعد یہ شاہی ملازمین میں شمار ہونے لگے۔ جہانگیر نے ۱۰۳۵ھ / ۱۶۲۵ء میں خدمت خانسامانی کے لئے مقرر کیا۔ شاہجہاں نے بھی اپنے پہلے جلوس میں ان کو انعامات دیئے اور اس کے بعد ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء میں ترقی دیکر وزیر اعظم مقرر کیا جس کی تاریخ "شد فلاطوں وزیر اسکندر" ۱۰۳۸ھ ہے۔ ستر سال کی عمر

میں ۱۰۴۸ھ ۱۶۳۸ء کو لاہور میں وفات پائی جس کی تاریخ یہ ہے:-

زخوبی بردگوئے نیک نامی

۱۰۴۸

یہ مقبرہ اور اس سے ملحقہ باغ افضل خاں نے خود آگرہ میں ۱۰۳۸ھ میں بنوایا تھا اور تیار ہو جانے پر اس میں بادشاہ کی دعوت کی تھی۔ یہ مقبرہ اب ویران ہے اور گذرے ہوئے زمانہ کی یاد میں گریہ کناں ہے۔ لارڈ کرزن نے اس کے چینی کے خوبصورت کام کو بہت پسند کیا تھا اور اس کی مرمت و صفائی کے ساتھ ساتھ درخت وغیرہ بھی لگوا دیئے تھے۔ یہ روضہ چبوترہ پر بنا ہوا ہے اس کے نیچے تہ خانے اور کمرے ہیں۔ گنبد پٹھانی طرز کا اور عالیشان ہے جس میں افضل خاں اور ان کی بیگم کے نقلی تعویذ تھے جواب نہیں ہیں۔ اس جگہ از سر نو نئی قبریں بنا دی ہیں۔ اصلی قبریں تہ خانہ میں تھیں۔ گنبد کے چاروں گوشوں میں ایک ایک حجرہ ہے۔ سترہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچتے ہیں۔ جہاں درمیان میں دو منزلہ گنبد ہے وہاں چینی کے کام کے خوبصورت گلدستے نظر آتے ہیں۔ ایک سنگین برج سہ منزلہ مقبرہ کے ایک گوشہ میں اس زمانہ کی یادگار موجود ہے۔

رام باغ

یہ خوبصورت باغ اعتماد الدولہ سے سوا میل ہے۔ یہ نورجہاں بیگم کی یادگار ہے۔ اب بھی اس کا شمار آگرہ کی مغلیہ عمارات میں ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ اس باغ کے چہار طرف ایک دیوار کھنچی ہوئی ہے اس کے گوشوں میں سنگین برج ہیں جن کے آٹھ آٹھ در ہیں۔ یہ باغ تین درجہ کا ہے اور ہر درجہ اپنے نیچے کے درجے سے بلند ہوتا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں باغ ہے۔ دوسرے میں روشیں، کیاریاں اور پانچ سُرخ پتھر کے چبوترے ہیں! ایک برج بھی بنا ہوا ہے۔ تیسرا درجہ دریا کے کنارے ہے۔ جس میں شمال کیجانب کٹھرہ دار ایک چبوترہ ہے اور شمال وجنوب میں مقابلہ پر دو عمارتیں ہیں ان کے بیچ میں سُرخ پتھر کا فرش ہے۔ فرش کے درمیان میں چھوٹا ایک حوض ہے جو ہر طرف سے ۲۴ فٹ ۱۵ انچ ہے۔ حوض کے بیچ میں سنگ مرمر کا چبوترہ ہے۔ پہلے اس چبوترہ کے چاروں طرف کٹہرہ تھا مگر افسوس اب اس کا نشان

تک باقی نہیں - اب اس قدیم عمارت میں کچھ کمی بیشی کر کے دو تین منزل کا ڈاک بنگلہ بن گیا ہے - ان عمارتوں کے نیچے حجرے بنے ہوئے ہیں اور ان کے آگے بر لب دریا ایک چبوترہ ہے - حوض کے ایک رُخ پر اس چبوترے تک پہنچنے کے لئے سیڑھیاں ہیں -

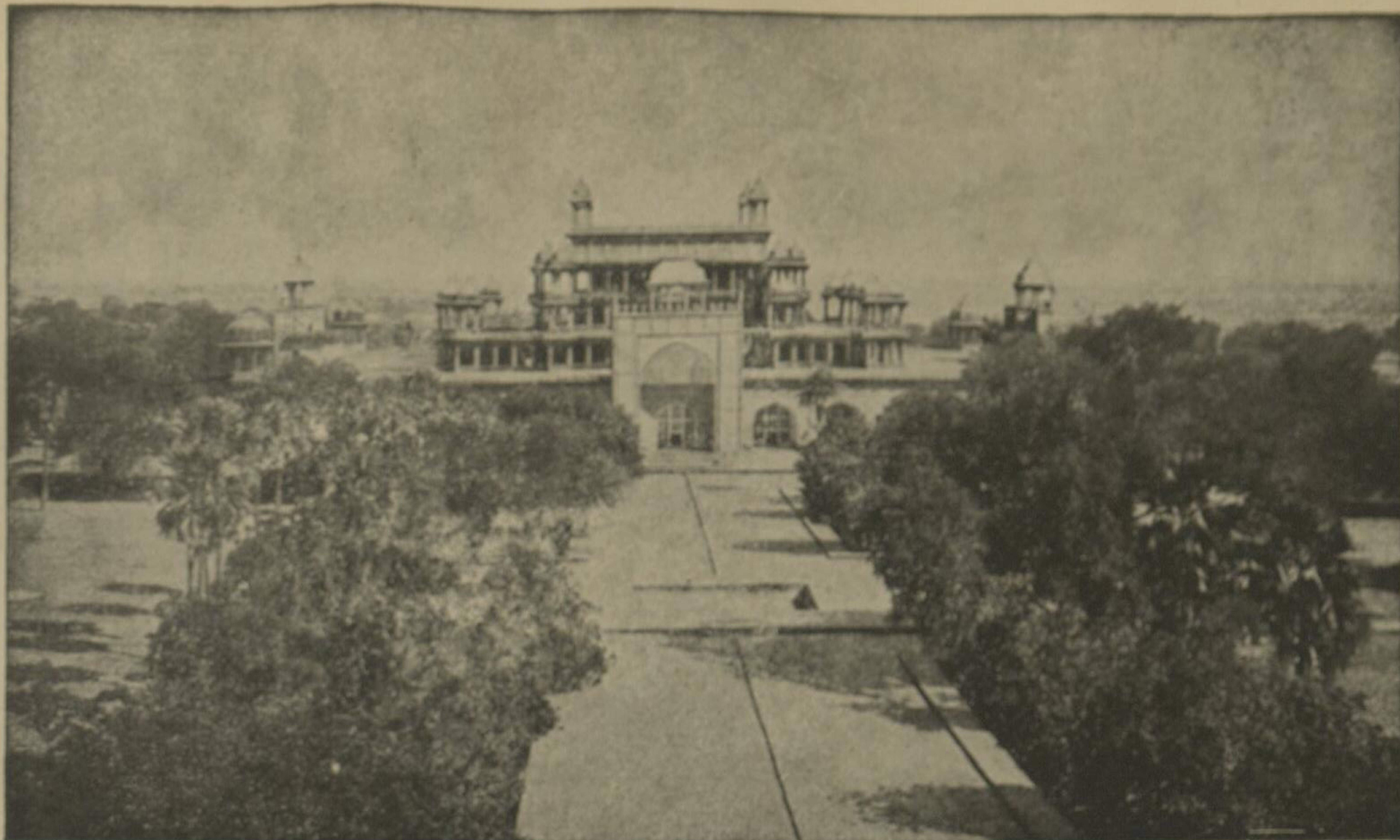
جو چبوترہ شمال کی جانب ہے اس میں دو زینہ بھی ہیں - ان زینوں میں اُتر کر حمام میں پہنچ جاتے ہیں جس کے چودہ پندرہ درجے ہیں - اندر درجوں میں پانی پہنچانے کے لئے نل لگے ہوئے ہیں کئی حوضوں میں جھرنے بھی ہیں - درمیانی درجہ شمال اور جنوب کی جانب سے ۶ فٹ اونچا ہے - اس کے مشرقی و مغربی حصّہ میں تین تین اور شمال و جنوب میں ایک ایک در ہے - درمیان میں ایک فوارے دار حوض ہے - مشرق کی طرف بیچ کے در میں بھی ایک حوض ہشت پہل بنا ہوا ہے جس کے شمال اور جنوبی حصہ میں دو جھرنے ہیں - چھت پر پُرانی رنگ آمیزی کی خوبصورت کاریگری ہے -

باغ میں دو کنوئیں بھی ہیں جس میں سے ایک بند ہو چکا ہے دوسرا جو جنوبی حصّہ میں ہے اس سے اب بھی پانی لیا جاتا ہے -

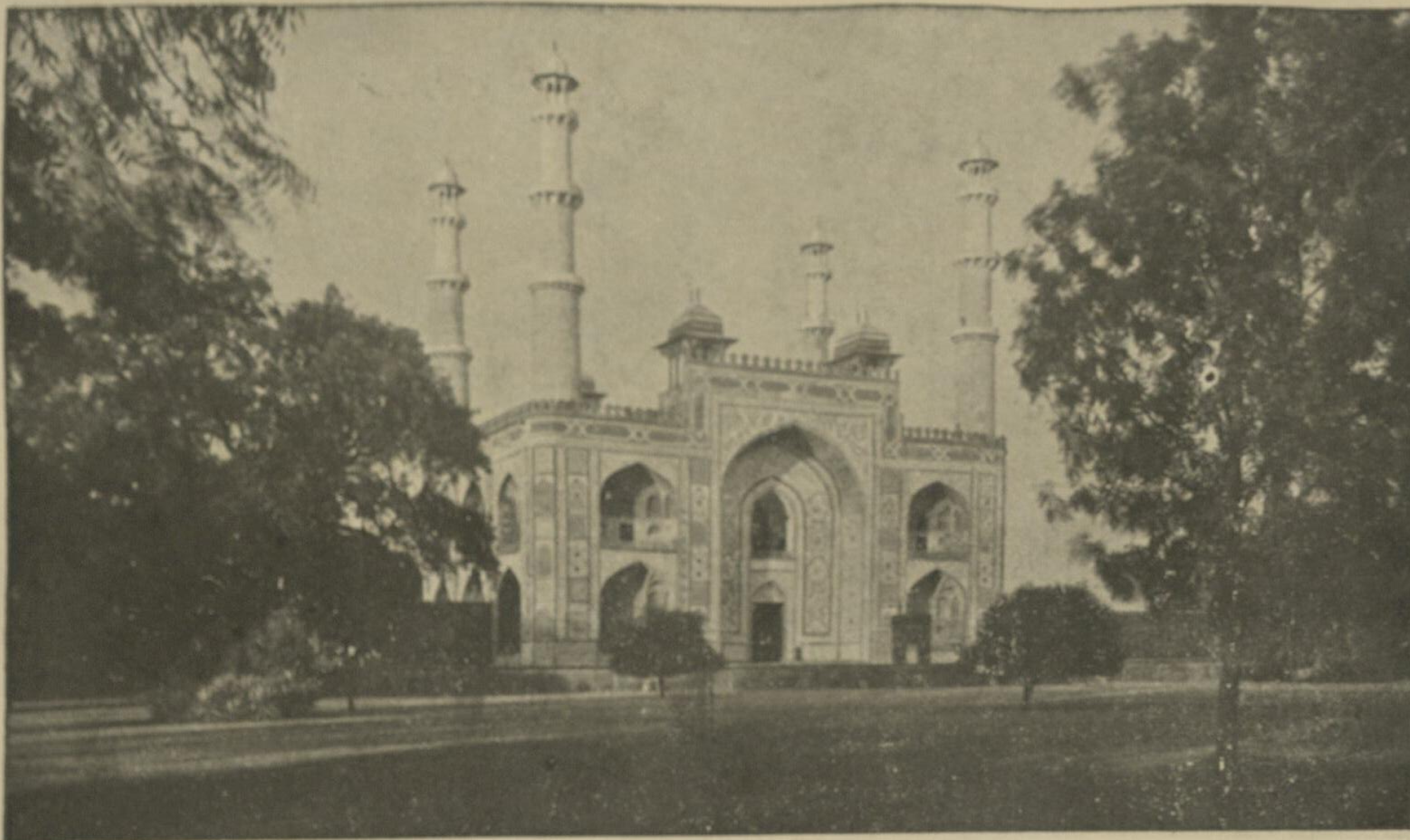
سکندرہ

یہ شہنشاہ اکبر کا مقبرہ ہے۔ یہ سکندرہ یوں کہلاتا ہے کہ سکندر لودی کے زمانہ میں یہ آگرہ کا ایک محلہ تھا جس کو ایک گاؤں کی صورت دیدی گئی تھی اور سکندرہ کے نام سے موسوم کر دیا گیا تھا کیونکہ اسے سکندر لودی نے ۱۴۹۲ء میں آباد کیا تھا۔ یہ دہلی اور متھرا کو جانے والی پختہ سڑک پر واقع ہے۔ سکندرہ کا ایک علیحدہ اسٹیشن جی۔ آئی۔ پی ریلوے کا قائم کردہ ہے۔ یہ اسی صاحب اقبال جلال الدین محمد اکبر کا مقبرہ ہے جو کہ کلانور میں جمعہ کے دن ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ ۱۵۵۵ء کو تخت نشین ہوا۔ جس نے ۵۱ سال ۲ ماہ گیارہ دن سلطنت کی اور ۶۴ سال کی عمر میں ۱۲ جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء کو آگرہ میں وفات پائی اور یہاں سکندرہ میں مدفون ہوا۔ یہ مقبرہ اصل آگرہ سے پانچ میل ہے۔

اس مقبرہ کے چاروں طرف ایک کنگورہ دار دیوار کھنچی ہوئی ہے۔ اس کے ہر ضلع کے درمیان میں ایک دیوار ہے۔ اس دیوار کی لمبائی چوڑائی کا اندازہ ۲۹۹ ×۶ بوہ ہے۔ اس کے جنوبی



SIKANDRA AGRA.



SIKANDRA GATE AGRA.

حصہ کے درمیان میں ایک بہت بڑا دروازہ ہے اور یہی دروازہ کھلا ہوا ہے باقی تینوں دروازے بند رہتے ہیں۔ سمت شمال جو دروازہ ہے وہ تقریباً گر گیا ہے۔ جنوب اور مشرق کے حصہ میں جو فصیل ہے اس طرف ایک مضبوط دروازہ ہے جو کہ جدید ہے اور ڈاک بنگلہ کی طرف جانے کے لئے بنایا گیا ہے۔

سُنا ہے صدر دروازہ پر صندل کا دروازہ تھا جو کہ جاٹ لوٹ کرلے گئے۔ یہ صدر دروازہ بہت مضبوط بنا ہوا ہے۔ اس کے اندر متعدد شہ نشین بنائی گئی ہیں اور درجہ بدرجہ یہ شہ نشینیں چار منزل تک گئی ہیں سب سے اوپر جو منزل ہے اس کے چاروں کونوں پر تین تین منزل کا ایک ایک مینار ہے جو کہ سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں۔ ان کا اوپر کا حصہ جاٹوں کی بہمیت کی نذر ہو گیا تھا جو کہ اب از سر نو بنوا دیا گیا ہے۔ دروازے کے دونوں طرف خوبصورت پچے کاری سنگ موسیٰ اور سنگ زرد سے کی گئی ہے۔ باہر کی جانب کچھ شعر بہت ہی خوبصورت طور سے کندہ کئے گئے ہیں۔ اندر کی جانب بھی کچھ اشعار ہیں اور اسی جانب طاق کے سامنے یہ رباعی کافی جلی خط نستعلیق میں کندہ ہے ؎

طاقیکہ از رواقِ نہم چرخ برتر است　　روشن ز سایہ اش رُخ تابندہ اختر است
این طاقِ زیبِ فلک و ہفت کشور است　　از روضۂ منور شہنشاہ اکبر است

روضہ کی عمارت ایک باغ کے بیچ میں چارسو مربع فیٹ کے ایک چبوترہ کے وسط میں بنائی گئی ہے۔ دروازہ اور روضہ کے درمیان میں جو فرش ہے وہ ۱۶۰ فیٹ کا سنگ سُرخ کا بنا ہوا ہے اور اس فرش کے بیچ میں فوارے دار حوض ہے۔ پانی کی آمدورفت کے واسطے نالیاں بھی بنی ہوئی ہیں۔ اس عمارت سے متعلق جو باغ ہے وہ چار حصوں میں تقسیم ہے اور ہر تختہ میں پکّا کنواں، حوض اور چبوترہ بھی ہے۔ جنوب کی طرف ڈاک بنگلہ کی عمارت بنائی گئی ہے اور جنوب کے ہی رُخ پر صدر دروازہ کے سامنے اس تہ خانہ کا دروازہ نظر آتا ہے جس میں اکبر اعظم کی قبر ہے۔ قبر پر کسی قسم کی پچے کاری یا کتبہ کندہ نہیں کیا گیا بلکہ بالکل سادہ ہے۔ قبر کے تہ خانہ کے دونوں طرف کچھ چھوٹے چھوٹے کمرے بھی ہیں جن میں اکبر کی بہنوں کی قبریں ہیں۔ جو کہ آرام بانو۔ رقیہ سلطان۔ شکرالنسا اور شہنشاہ شاہ عالم کے صاحبزادے سلیماں شکوہ کی قبریں ہیں۔ سلیماں شکوہ کی وفات ۱۸۳۸ء میں ہوئی۔ روضہ کی عمارت پانچ منزلوں پر منقسم ہے۔ کل عمارت زمین سے ۱۰۰ فیٹ

اونچی ہے۔ عمارت کی پہلی منزل ۳۲۰ فیٹ مربع ہے۔ اس منزل میں ۵۰۵ در کے دالان ہیں۔ خوبصورت محرابیں وغیرہ بھی ہیں۔ اس کے در و دیوار پر طلائی اور لاجوردی گلکاری ہے نہایت خوبصورت گل بوٹوں کے علاوہ کلام مجید کی ایک ایک سورۃ بھی کندہ ہے۔ مگر اب نقش و نگار ہیں وہ آب و تاب کہاں یہ سب باتیں خواب ہو چکی ہیں۔ کچھ حصّہ کو بطور نمونہ درست کر کے ان پر رنگ کر دیا گیا ہے۔

دوسری منزل پر جانے کے واسطے ہر جانب دو دو زینے ہیں ۳۸ یا ۳۹ سیڑھیاں ہر زینہ میں ہیں۔ اس منزل کے چاروں کونوں پر ایک ایک برج ہے اور جنوبی حصہ میں محراب کی برجیاں اور اطراف میں دالان ہیں۔

اس کے بعد تیسری منزل ۱۴ یا ۱۵ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد آتی ہے جس کے چاروں طرف ۲۰ برجیاں ہیں جس کے گنبد سنگ مرمر کے ہیں۔ درمیان میں دالان بھی ہیں۔

اب پندرہ سیڑھیاں طے کر کے چوتھی منزل پر آتے ہیں اس میں بارہ مربع برجیاں ہیں جن میں چار کے گنبد تو سنگ مرمر کے ہیں اور مختلف رنگ کی چمکدار چینی کے۔

اس کے بعد پانچویں منزل پہ پہنچتے ہیں۔ چوتھی اور پانچویں منزل کے درمیان ۴۴ سیڑھیاں طے کرنی ہوتی ہیں۔ یہ منزل پوری عمارت کی منزلوں کے مقابلہ میں خوبصورت ہے اور خالص سنگ مرمر کی ہے۔ اس کو مختلف ضلعوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر ضلع ۵، فٹ ہے اور ان ضلعوں کے اطراف میں نو۔ نو محرابوں کے دالان ہیں جن میں باہر کے رُخ خوشنما جالیاں ہیں جن میں سے باہر کے کوسوں دور کے مناظر دیکھے جا سکتے ہیں۔ صحن کے درمیان ایک چبوترہ $2\frac{1}{2}$ فیٹ اونچا ہے جس کے وسط میں ایک خوبصورت تعویذ بنا ہوا ہے جو اصلی قبر کے بالکل اُوپر ہے۔ اس کی خوبصورتی اور گلکاری قابل دید ہے۔ اس کے اُوپر نود نہ نام اور سرہانے اللہ اکبر اور پائنتی جل جلالہٗ کندہ ہے۔ اس منزل کا فرش مختلف قسم کی رنگ آمیزی سے کیا گیا ہے۔ دالانوں کی محرابوں پہ اندر و باہر دو دو جگہ اللہ۔ اللہ کندہ ہے اور چند فارسی اشعار بھی نقش ہیں۔

جامع مسجد

یہ مسجد شاہجہاں کی دوسری بیٹی شاہزادی جہاں آرا بیگم کی تعمیر کرائی ہوئی ہے۔ شاہجہاں کو اپنی تمام اولاد میں سب سے زیادہ محبت ان سے تھی۔ یہ ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء کو یوم سہ شنبہ پیدا ہوئی تھیں۔ "بیگم صاحبہ" کے خطاب سے موسوم کی جاتی تھیں ان کو امور سلطنت میں بھی کافی اختیارات حاصل تھے۔ ان کی وفات ۳ رمضان ۱۰۹۲ھ/۱۶۸۱ء کو ہوئی۔ آپ دہلی میں حضرت نظام الدینؒ میں مدفون ہیں۔ مزار کی لوح پر یہ شعر کندہ ہے۔

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا   کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

یہ مسجد عرصہ پانچ سال میں پانچ لاکھ روپیہ میں ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء کو مکمل ہوئی۔ مسجد تمام سرخ پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ صرف باہر کی دیوار چونے کی ہے اندر فرش ۵ فٹ ۱۷ انچ بلند اور درمیانی محراب اور طاق کے سامنے سنگ مرمر کا استعمال کیا گیا ہے اصل مسجد کی لمبائی ۲۱۷ فیٹ ہے شمال و جنوب میں حجرے بھی ہیں۔ مسجد کا حصہ فرش سے اونچا ہے بیش طاق اور گرد محرابیں ہیں۔ بغلوں میں دونوں طرف عورتوں کے لئے تین تین حجرے ہیں جن میں باہر کی جانب جالیاں   فٹ

کی گئی ہیں۔ درمیانی محراب پر سنگ مرمر لگا ہوا ہے اور اس کے اطراف میں کلام مجید کی ایک سورۃ درمیان میں آیۃ الکرسی اور ۱۰۵۷ھ سنگ موسیٰ سے کندہ ہیں۔ خاص مسجد کا فرش تو سادہ ہے مگر بغلی حجروں میں فرش پر جو مصلے بنے ہوئے ہیں ان کو دیکھ کر شبہ ہوتا ہے کہ یہاں بھی مصلے ہی ہوں گے۔

مسجد کا صحن ۲۷۱ فیٹ × ۲۰۸ فیٹ ہے۔ اور اس کے اردگرد ہر سہ جانب ایک ایک دروازہ اور پچاس محرابوں کے دالان بنے تھے اب صرف شمال و جنوب کے ۱۸-۱۸ محرابوں کے دالان باقی ہیں مشرقی دالان اور صدر دروازہ جو کہ بادشاہی دروازہ کہلاتا ہے وہ غدر ۱۸۵۷ء میں گرا دیا گیا۔ صحن کے درمیان میں ایک حوض ہے جس کی لمبائی ۴۲ فٹ اور چوڑائی ۳۲ فٹ ہے۔ اس کے چاروں کونوں پر برج ہیں۔ شاہی زمانہ میں اس حوض میں مسجد کے جنوبی جانب جو کنواں ہے اس سے پانی آتا تھا۔ مسجد کی چھت پر تین خوشنما گنبد ہیں۔ درمیانی گنبد کے چہار طرف چار بلند مینار اور آٹھ آٹھ محرابوں کے برج بنائے گئے ہیں۔ اسی طرح دو برج مشرقی حصہ میں ہیں۔ مسجد کی دالانوں والی دیواروں پر ۶۷ برجیاں ہیں۔ مسجد کے پیش طاق کی بیرونی محراب کے اطراف میں سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ سے ایک کتبہ بھی کندہ ہے۔

فتح پور سیکری

کون ہے جو فتحپور سیکری کے نام سے واقف نہیں۔ کون ہے جو دورِ اکبری کو ہندوستان کا عہدِ زرّیں تصور نہیں کرتا۔ اس کا دور اکبر ہی نہیں بلکہ اکبر اعظم کے نام سے تاریخ کے صفحات میں روز روشن کی طرح منور ہے۔ یہ فتحپور سیکری ان ہی دنوں کی یادگاروں میں سے ایک یادگار ہے۔ اس مقام کا نام فتحپور بابر نے رکھا تھا اور شاید ۱۵۲۷ء سنہ میں اسی گاؤں میں دربار ہوا تھا۔ یہ مقام آگرہ سے تقریباً ۱۲ کوس ہے۔ اس میں لاتعداد عمارات ہیں جن پہ تفصیلی روشنی ڈالنا دشوار ہے اور اس وقت یہ چیز ہمارے عنوان سے علیٰحدہ بھی ہے صرف سیاحوں کی معلومات کے لئے چند عمارات کے مختصر حالات تحریر کئے جارہے ہیں ورنہ فتحپور میں اتنی عمارات موجود ہیں کہ جنکی تفصیل کے لئے ایک علیٰحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔ چند خصوصی عمارات کے نام یہ ہیں۔ پنج محل۔ مکان بیربل۔ دیوان خاص دیوان عام۔ رنگ محل۔ نگینہ مسجد۔ خاص محل۔ خوابگاہ محل جودھ بائی

جامع مسجد۔ زنانہ مدرسہ۔ فیل خانہ۔ مریم زمانی کا محل۔ نو محلا۔ مکان ابوالفضل۔ عبادت خانہ۔ زندہ پچیسی۔ کارواں سرائے۔ بلند دروازہ۔ مزار سلیم چشتیؒ وغیرہ۔ جن میں سے چند پر ہم روشنی ڈالتے ہیں۔ اس سے قبل کہ کچھ عمارات کے لئے لکھا جائے ضروری ہے کہ چند سطور یہاں شہر کے لئے بھی لکھ دی جائیں۔

شہر

اس کی حشمت وعظمت۔ شان وشوکت۔ تزک واحتشام کے نمونے پیش کرتا ہے ؎

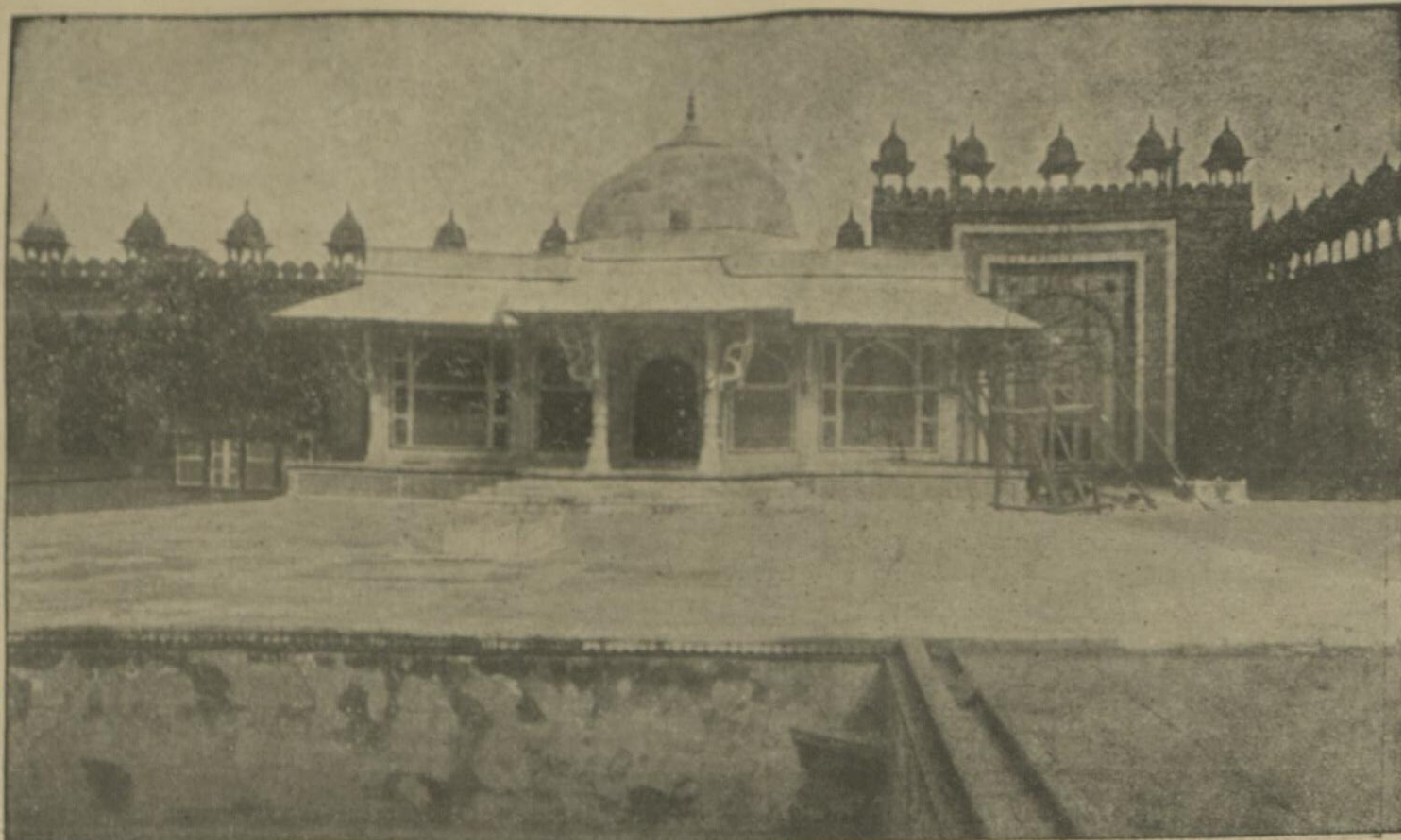
کیسی زنگار رنگ شکلیں ہوں گی اے جوشِ بہار
مٹ کے جو گلگونۂ رخسارِ گلشن ہو گئیں

اس کا احاطہ تقریباً سات میل ہے۔ دہلی ایک نہیں دو نہیں سترہ بار اُجڑی پھر سنوری اور بسی تو ایک نئے اور نرالے ہی انداز سے لیکن فتحپور سیکری جو عہد اکبری کے بعد اُجڑی تو پھر بسنا اس کے بس میں تھا نہ بسی۔ اس کے عجیب وغریب محلات جو کبھی ہندوستان بھر میں اپنی آپ نظیر تھے آج جسم بے روح کی طرح بیچارگی کی حالت میں پڑے ہیں۔

درگاہ شریف یہ درگاہ فتحپور کی تمام عمارتوں میں افضلیت رکھتی ہے۔ اکبر نے حضرت سلیم چشتی کے لئے اس



Buland Darwaza Fatehpur Sikri.



Tomb of Shaikh Salim Chisti Fatehpur Sikri

عمارت کو بطور خانقاہ تیار کرایا تھا جو پانچ برس میں پانچ لاکھ روپے کے صرفہ سے تیار ہوئی تھی۔ روضہ کے علاوہ تمام عمارات سُرخ پتھر کی ہیں مغربی حصہ میں بہت بڑی مسجد ہے۔ کل عمارت میں ۸۷ حجرے اور ۱۸ بڑے چھوٹے در ہیں۔ شمال کی طرف حضرت سلیم چشتی کا روضہ ہے۔ جنوب کی طرف عالیشان بلند دروازہ ہے۔

بلند دروازہ یہ دروازہ بلند ہونے کے ساتھ سنگین اور خوشنما بھی ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر اس کی تعمیر ہوئی ہے۔ دروازہ کی بلندی ۱۲۹ فیٹ ہے۔ پانچ منزل کا دروازہ ہے۔ ہر منزل پر دالان اور برجیاں وغیرہ ہیں۔ سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کی پچیکاری ہے۔ دروازہ کی تعمیر ۹۸۳ھ ۱۵۷۵ء میں ہوئی۔

زنانہ روضہ بلند دروازہ کی شمالی جانب ایک خوشنما دروازہ سے گذر کر اس زنانہ قبرستان میں پہنچتے ہیں جس میں حضرت سلیم چشتیؒ کے خاندان کی خواتین دفن ہیں۔

جامع مسجد درگاہ کے مغربی حصہ میں یہ بہت بڑی مسجد ہے اس کی لمبائی ۲۹۱ فیٹ اور چوڑائی ۷۰ فیٹ ہے اس کے سات درجے ہیں جگہ جگہ محرابوں پر آیات قرآنی سنگ مرمر سنگ موسیٰ اور چینی سے کندہ کی گئی ہیں۔ مسجد کے درمیان میں سنگ مرمر

کا فرش بھی ہے جس کو حضرت شیخ سلیم چشتی کے نواسے نواب قطب الدین نے جہانگیر کے زمانہ میں بنوایا تھا۔ مسجد کی چھت پر تین گنبد اور بہت سے گلدستے ہیں۔

روضۂ سلیم چشتیؒ درگاہ کے اندر ایک خوبصورت عمارت ہے یہ حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کا مزار ہے جسے نواب قطب الدین نے ۹۸۸ھ ۱۵۸۰ء میں بنوایا تھا۔ یہ عمارت بہت اعلیٰ اور نفیس ہے۔ روضہ کو سنگ مرمر سے تعمیر کرایا گیا ہے۔ دروازوں پر سنگ مرمر ہی کی جالیاں ہیں۔ فرش بھی عمدہ ہے۔ اس پر سنگ ابری اور سنگ مرمر سے پچی کاری کی گئی ہے۔ قبر پر چار ستون قائم کر کے چھت لگائی گئی ہے اور ستونوں پر سیپی کا کام کیا گیا ہے۔ اسی سے ملا ہوا حوض اور فوارہ بھی ہے۔

روضۂ نواب اسلام خاں نواب اسلام خاں کا اصلی نام شیخ علاء الدین تھا۔ یہ حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے پوتے تھے ان کی وفات ۱۰۲۲ھ ۱۶۱۳ء میں ہوئی۔ ان کا مزار حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے روضہ کے قریب ایک گنبد میں ہے۔ اس روضہ کے مشرق کی جانب ایک چبوترہ "یاران چبوترہ" کے نام سے ہے۔ اس میں شیخ سلیم چشتی کے خلیفہ اور دیگر بزرگوں کی قبریں ہیں۔

جھالرہ یہ جھالرہ نواب قطب الدین کا بنوایا ہوا ہے۔ بلند دروازہ کے جنوب و مغرب کی طرف ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی جھیل ہے اور ہشت پہلو ہے۔ پانی تک پہونچنے کے لئے اس میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔

لنگرخانہ اس لنگرخانہ میں چاروں طرف بڑے بڑے دالان ہیں یہاں مغلیہ دور میں مسکینوں اور فقیروں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ یہ بلند دروازہ کے قریب ہی ہے۔

مسجد سنگ تراشاں یہ مسجد فتحپور کی عمارتوں میں سب سے زیادہ پرانی ہے۔ درگاہ شریف سے کچھ فاصلہ پہ مغرب کی جانب ہے۔ ۵۱ فٹ لمبی اور ۱۲ ½ فٹ چوڑی ہے۔ مسجد کے باہر کی پیشانی پر آیاتِ قرآنی کندہ ہیں۔ ۳۵ فٹ چوڑا صحن ہے۔

خاص محل یہ محل ایک احاطہ میں تعمیر کیا گیا ہے جس کی لمبائی ۲۱۱ فیٹ اور چوڑائی ۱۵۳ فیٹ ۴ انچ ہے۔ ۹۷۶ھ (۱۵۶۸ء) میں اس کی تعمیر شروع ہو کر ۹۷۹ھ (۱۵۷۱ء) میں ختم ہوئی اس کے جنوب میں دالان اور کمروں کا بھی سلسلہ ہے اور جنوب و مشرق کے حصہ میں ایک نفیس کمرہ ہے جس کو خوابگاہ کہا جاتا ہے

محل کے سنگین فرش کے درمیان میں ایک حوض ہے جس کو حوض کلاں یا انوپ تلاؤ کہا جاتا تھا۔ مگر اب چمن کہتے ہیں۔ درمیان میں چبوترہ ہے اور اس کے وسط میں شہ نشین ہے۔ محل خاص کی جنوبی عمارت کی چھت پر ایک طلسمی کمرہ ہے جس کو خوابگاہ کہتے ہیں۔ یہ خاص بادشاہ کی خوابگاہ تھی۔ یہ خوابگاہ بہت خوبصورت تھی، در و دیوار منقش تھے لیکن اب نہ وہ زیبائش ہے نہ آرائش اس کے دروازوں پر کچھ اشعار بھی کندہ ہیں۔ خوابگاہ کے صحن میں ایک پردہ دار راستہ بھی ہے جس کا سلسلہ مریم کے مکان اور پیچ محلہ ہوتا ہوا جودہ بائی کے مکان تک چلا گیا ہے۔

مکان ترکی سلطانہ

محل خاص کے گوشہ میں یہ مکان واقع ہے اس کو ترکی سلطانہ کا مکان کہا جاتا ہے

تاریخ سے اس مکان کی کچھ وضاحت نہیں ہوتی خیال ہے کہ شاید سلیمہ سلطانہ بیگم دختر گلرخ بیگم کا مکان ہے جو اکبر کی بیگم تھیں۔ یہ مکان ایک چھوٹے سے کمرے کی صورت میں ہے جو اندر سے $13 \times 12\frac{1}{2}$ فیٹ اور باہر سے $16\frac{1}{4} \times 16\frac{1}{4}$ فیٹ ہے۔ اس کے چاروں طرف سرخ پتھر کا برآمدہ ہے۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عمارت سے ملحق کچھ اور عمارت بھی جو اب منہدم ہو چکی ہے۔

مدرسۂ نسواں یہ لڑکیوں کا مدرسہ تھا جو کہ خاص محل کے شمال و مغرب کے گوشہ میں ہے ایک سادہ مگر مضبوط عمارت ہے۔ نیچے بہت سے ستون تعمیر کرا کر اس کی چھت پر یہ عمارت بنوائی گئی ہے۔ اس میں دو کمرے ہیں اور برآمدہ اور اس کے آگے صحن بھی ہے۔ کمرہ میں الماریاں اور طاق وغیرہ بھی کتابوں وغیرہ کے لئے بنے ہوئے ہیں۔

دیوان خاص دیوان خاص پچیسی کے فرش کے شمال کی طرف ہے۔ سنگِ سُرخ کا بنا ہوا ہے۔ یہ ایک منزلہ عمارت ہے مگر باہر سے دیکھنے میں دو منزلہ معلوم ہوتی ہے۔ اندر چوپڑ کا فرش سُرخ و سفید پتھروں سے بنایا گیا ہے۔ کمرے کے درمیان میں منقش ستون نصب ہے جس کی وجہ سے عمارت میں اور بھی خوبصورتی آگئی ہے۔ ستون کے اوپر چاروں کونوں میں چار لٹو نکلے ہوئے ہیں اس کے اوپر خوشنما لٹو دار چھت بنائی گئی ہے اسے تخت نشین بھی کہتے ہیں

اس درمیانی ستون کی بلندی کے برابر کمرے کے چاروں گوشوں میں لٹو نما توڑے قائم کر کے چھت لگائی گئی ہے۔ چھت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گیلری بنا کر راستہ قائم کیا گیا ہے۔

دیوان عام دیوان عام کے ہر ضلع میں ۱۴-۱۴ فیٹ چوڑے مضبوط دالان بنائے گئے ہیں جن کے بیچ میں صحن

ہے۔ پہلے صحن میں سنگین فرش تھا مگر افسوس اب وہ باقی نہیں ہے
صرف شہ نشین کے قریب اس کا ذرا سا نمونہ ملتا ہے۔ مغرب کی
طرف جو دالان ہیں ان کی چھت پر پردہ دار راستہ ہے جس کا
زینہ محل خاص میں بنا ہوا ہے۔ اوپر دو کمرے ایک برآمدہ ہے۔
جنوب کی طرف جو برآمدہ ہے اس کے قریب دو کمرے ہیں جنکے
چاروں طرف دروازہ ہیں۔ مشرق کی طرف جو دروازہ ہیں انہیں
نشست گاہیں بنی ہوئی ہیں جن میں دیوان عام کے صحن کی طرف
چھوٹی چھوٹی جالی دار کھڑکیاں ہیں۔ کمروں اور برآمدوں کی چونے
کی چھت ہے۔ برآمدہ میں جو نقش ونگار کا نمونہ ہے اس سے
ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چھتیں منقش تھیں۔

پنچ محلا یہ عمارت فتحپور سیکری میں عجیب وغریب ہے۔ اس کی پانچ
منزلیں ہیں۔ یہ محل خاص سے ہمرشتہ ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا
کہ زمانہ اکبری میں اس کا کیا مصرف ہوگا تاہم گمان ہوتا ہے کہ شہزادوں
اور شہزادیوں کے لئے اکبر نے بطور تفریح گاہ اس کی تعمیر کرائی ہوگی۔
اس میں چہار طرف سے خنک ولطیف ہوائیں آتی ہیں۔ اوپر کی منزلوں
میں سے فتحپور سیکری کی تمام آبادی نظر آتی ہے۔ اس کی ہر منزل ستونوں
پہ قائم ہے اور ہر ستون اپنی وضع قطع میں مختلف ہے۔ یہ عمارت باالترتیب

پہلی منزل سے پانچویں منزل تک ہر ایک منزل چھوٹی ہوتی چلی گئی ہے چنانچہ پانچویں منزل کافی چھوٹی ہے۔

محل مریم زمانی مریم کا محل سنہرے رنگ کا ہے اس لیے اس کو سنہرا مکان بھی کہتے ہیں۔ جب یہ مکان تعمیر ہوا تھا اس وقت اس کی آب و تاب کے کیا کہنے تھے۔ در و دیوار اور ستونوں پر طلائی اور نقرئی نقش و نگار تھے۔ رزم و بزم کے مناظر اور مختلف تصاویر سے مصوروں نے اس مکان کو آراستہ کیا تھا۔ یہ مریم زمانی وہی ہیں جو کہ جہانگیر کی والدہ تھیں۔ یہ سکندرہ میں دفن ہیں۔ مریم محل ایک چبوترہ کے درمیان میں بنا ہوا ہے۔ اس میں چار کمرے ہیں۔ چاروں کمروں کی چھت پر ایک ہوادار چھتری بنی ہوئی ہے۔

زنانہ باغ یہ باغ مریم محل کے قریب میں ہے۔ پہلے اسکی چہار دیواری بھی تھی سوائے خواتین حرم کے اس میں کسی کا داخلہ عہد دور میں نہیں ہوتا تھا۔ اس کا طول و ارض ۹۲ $\frac{2}{3}$ فیٹ اور ۶۲ $\frac{2}{3}$ فیٹ بتایا جاتا ہے۔ اس کو مریم کا چمن بھی کہتے ہیں۔ اکبری عہد میں اس باغ کے کیا کہنے تھے۔ جملہ قسم کے میووں اور پھلوں کے درخت تھے۔ مچھی تال میں طرح طرح کی مچھلیاں تیرتی نظر آتی تھیں۔ اب تو صرف اس باغ کی یادگار دو برجیاں، ایک مچھی تال، کچھ پختہ روشیں ہیں۔ اس کے

جنوبی گوشہ میں ایک حوض مسقف بنا ہوا ہے۔ اسے مریم کا حمام کہتے ہیں۔
اس کی چھت پختہ ستونوں پر قائم کی گئی ہے۔

شفاخانہ یہ شفاخانہ ۱۲۷ ½ فیٹ × ۱۰۸ ½ فیٹ ہے۔ بیچ محلہ اور زنانہ باغ کے درمیان میں ہے۔ مریضوں کیلئے علیحدہ علیحدہ ۱۲ حصے بنائے گئے تھے مگر اب اس میں سے صرف چھ سات باقی رہ گئے ہیں۔ باقی گر چکے ہیں۔ ان کے آگے برآمدہ بھی تھا جس کا صرف نشان باقی ہے۔ شفاخانہ کے مغربی حصہ میں کچھ اور عمارت تھی مگر اب صرف اسمیں سے کچھ باورچی خانہ اور پاخانہ باقی ہیں چھت پر نقش و نگار کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اندرونی دیواریں چونے کی تھیں۔ اندر کچھ کھونٹیاں پتھر کی نصب ہیں بعض پر جانوروں کے چہرے ترشے ہوئے ہیں۔

نگینہ مسجد یہ ایک چھوٹی سی زنانی مسجد ہے جسکو "نگینہ مسجد" کہا جاتا ہے۔ اس کے چہار طرف دیواریں تھیں مگر اب کھل گئی ہیں یہ صرف خواتین حرم کے لئے مخصوص تھی۔ یہ مسجد محراب دار دو درجوں کی ہے۔ چھت بہت مضبوط سرخ پتھروں کے ستونوں پر پاٹی گئی ہے شمالی جانب برآمدہ بھی ہے۔ ایک گوشہ میں شکستہ حمام بھی پایا جاتا ہے۔ مسجد کے زیریں حصہ میں بھی حمام ہیں۔ باہر کی طرف چڑیوں اور کبوتروں کے لئے بھی گھر بنا دئے گئے ہیں۔

محل جودھ بائی

جودھ بائی جہانگیر کی بیگم تھیں۔ بعض لوگ مغالطہ میں ہیں کہ ان کو اکبر کی بیگم تصور کرتے ہیں اس محل کو جہانگیری محل بھی کہتے ہیں۔ یہ عمارت فتحپور کی عام عمارتوں میں خوبصورت اور مضبوط ہے یہی وجہ ہے کہ یہ ابتک اپنی اصلی حالت میں پائی جاتی ہے۔ یہ محل سرخ پتھر کا بنا ہوا ہے۔ اندر چاروں طرف ایک ہی قسم کی عمارتیں ہیں بیچ میں صحن ہے۔ مغرب کی جانب میں ایک دالان ہے جو کہ مندر کہلاتا ہے۔ اسمیں ہندوانی ستون بنے ہوئے ہیں محل کے اندر متعدد دالان کوٹھریاں، حمام، پاخانے وغیرہ بنے ہوئے ہیں۔ دو منزلہ کمروں کی چھتیں شطرنج دار ہیں۔ محل کی دیوار کے باہر لمبے ستونوں پر ایک کمرہ ہے جسکو ہوا محل بھی کہا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ زنانہ راستہ ہے جو مریم باغ اور نگینہ مسجد سے ہوتا ہوا ہرن مینار تک چلا جاتا ہے۔

اصطبل

اکبر گھوڑوں کے بہت شوقین تھے۔ ملک ملک کے گھوڑے تھے ہمیشہ ۱۲۰۰ گھوڑے اصطبل میں رہتے تھے۔ یہ اصطبل بھی گھوڑوں کا ہے۔ بہت ہی سنگین بنا ہوا ہے۔ یہ بیربل کے مکان کے برابر ہے۔ اسمیں پختہ دالان ہیں جنکے کونوں میں ایک ایک کوٹھری اور درمیان میں صحن چھوٹا ہوا ہے۔ کھونٹوں کی جگہ دیوار میں گول پتھر چھید کر کے گاڑے گئے ہیں۔

شتر خانہ

اس کی چھت بلند ستونوں پر قائم کی گئی ہے۔ اسمیں علیحدہ علیحدہ

۵ اسہ دریاں ہیں۔ چھت ستونوں پر پتھر کی پٹیاں ڈال کر بنائی گئی ہے چھتوں پر کچھ سوراخ روشنی کیلیئے بنائے گئے ہیں۔ جنوبی حصہ میں ایک کوٹھری اور ایک یکدرہ ہے۔ مشرق کی طرف ایک پھاٹک ہے جو کہ اصطبل اسپاں اور شتر خانہ دونوں کی عمارتوں میں جانے کے لیئے ہے۔ شتر خانہ جودھ بائی کے محل کی دیوار سے ملا ہوا ہے۔

فیل خانہ اکبر کو دوسرے جانوروں کے ساتھ ساتھ ہاتھیوں کا بہت شوق تھا۔ اکبر خود بھی ہاتھیوں پر بیٹھا کرتے تھے سرکش سے سرکش ہاتھی سے نہ ڈرتے تھے۔ پانچ چھ ہزار ہاتھی ہمیشہ موجود رہتے تھے۔ یہ عمارت اب منہدم ہوگئی ہے لیکن کچھ ستون اب بھی اس عمارت کا پتہ دیتے ہیں۔

ثمن برج اس برج میں چاروں طرف ۱۱ دروازے ہیں۔ یہ برج اس زنانہ راستہ کے درمیان میں ہے جو جودھ بائی کے محل سے حرم مینار تک جاتا ہے۔ یہ ہاتھی پول کے قریب ہے۔

ہاتھی پول محلات کے مغرب کیطرف یہ عالیشان دروازہ ہے اسکے گوشوں میں سہ دریاں اور انکے اندر ایک ایک کوٹھری ہے۔ چھت گنبد نما بنائی گئی ہے جسکے درمیان میں ایک خوبصورت پھول کندہ کیا گیا ہے۔ پھاٹک کے باہر ایک چبوترہ پر دو سنگین ہاتھی بنے ہوئے ہیں۔ دونوں سونڈیں ملا کر محراب بنائی گئی تھی مگر اب وہ ٹوٹ چکی ہے چھت کے اوپر ایک کمرہ ہے۔ اسکے سامنے ایک صحن ہے۔ کمرے میں سات دروازے ہیں۔

کاروان سرائے یہ ایک وسیع عمارت ہے اسکے چاروں کونوں

ایک ایک برج ہے اور کنگورے دار چہار دیواری ہے۔ ایک عالیشان پھاٹک بھی ہے۔ چاروں طرف کوٹھریاں ہیں اور ان کے آگے برآمدے تین طرف ایک منزلہ عمارتیں ہیں اور صرف ایک جانب سہ منزلہ عمارت ہے جسکی ایک منزل منہدم ہو چکی ہے۔ عمارت کے وسط میں ایک بہت بڑا صحن ہے جس میں ایک پکا کنواں بنا ہوا ہے۔

حرم مینار یہ مینار عرف عام میں ہرن مینار کہا جاتا ہے مگر حرم مینار اسوجہ سے مشہور ہو گیا کہ اس مینار سے تمام محلات تک ایک زنانہ راستہ ہے جس سے بیگمات اور شہزادیاں وغیرہ گذرتی تھیں اسلیئے اس نسبت سے اسکو حرم مینار کہہ دیا گیا۔ اسکے لئے یہ روایت بھی عام ہے کہ اکبر کو ایک ہاتھی سے بہت محبت تھی۔ سوئے اتفاق وہ مر گیا تو اس مقام پر اسے دفن کرا کر یہ مینار بنوایا تھا یہی وجہ ہے کہ پتھر کے ہاتھی کے دانت بنوا کر اس مینار پر لگوائے تھے۔ یہ مینار ایک بڑے اور ایک چھوٹے چبوترہ کے درمیان میں بنوایا گیا ہے۔ ایک طرف مینار پر چڑھنے کا راستہ بھی ہے۔ زینہ میں ۵۳ سیڑھیاں اور چار منزلیں ہیں۔ مینار کے چبوترہ کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے حوض اور ایکطرف کنواں بھی ہے۔

بعض عمارات کا تذکرہ عمداً چھوڑا جا رہا ہے اس لئے کہ منہدم شدہ عمارات بعض بے نشان ہو گئی ہیں اور سیاحوں کے لئے ان کا پتہ چلانا دشوار ہے۔ دوسرے اس وقت بیکری ہمارے عنوان کے تحت میں نہیں آتی۔ صرف عمارت آگرہ پر لکھنا مقصود تھا۔

حضرت اخترؔ انصاری اکبر آبادی کی

دیگر اہم تصنیفات و تالیفات

کیف و رنگ نامور و باکمال شاعر حضرت اخترؔ انصاری اکبر آبادی کی کیف و عمل میں ڈوبی ہوئی نظموں کا حیات آفریں مجموعہ کتابت و طباعت بہترین قیمت مجلد ایک روپیہ دس آنہ عہ علاوہ محصولڈاک

زندگی کے رُخ صاحب طرز اور طوفانی شہرت رکھنے والے ادیب حضرت اخترؔ انصاری اکبر آبادی کے دلنشیں افسانوں کا مجموعہ ہر مذاق اور ہر طبیعت کے افراد کے لئے اس میں تسکین رُوح و قلب کا سامان موجود ہے۔ لکھائی چھپائی بہترین قیمت ایک روپیہ دس آنہ عہ

سبد گلچیں چونتیس بہترین شاعروں شاعرات کی کیف و رومان میں ڈوبی ہوئی نظموں کا اچھوتا مجموعہ جسمیں ہر شاعر و شاعرہ کا تعارف حضرت اخترؔ انصاری اکبر آبادی کے سحر نگار قلم کا نتیجہ ہے۔ کتاب مجلد ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ عہ

ہر کتاب کا محصولڈاک خریدار کے ذمہ ہے

ملنے کا پتہ

دفتر انصاری اینڈ کو تاج گنج۔ آگرہ

مقامی ایجنٹ :- ظفر بک سیلر۔ جسونت ٹاکیز بلڈنگ آگرہ

ملنے کا پتہ

ایم اے کے برادرز
روضہ دروازہ تاجگنج آگرہ

e Rs ~~1-12-0~~